رجسٹرڈ ڈی ۶۸۳

کمال دہلی

قطعہ تاریخ اشاعت سالہ ہذا از جناب کنور برج کرشن صاحب فروغ وکیل دہلی از ہر چہار مصرع

یہ وہ گلدستہ گلشن در حقیقت ہے ہر جا	آپ ظاہر ہے عجب جاہ و جلال دہلی ۱۳۲۷
سال ہجری ہی ہم بہ ہے ہر ان مصرع سے	واہ کیا خوب ہے تالیف کمال دہلی ۱۳۲۷

بابت ماہ فروری سنہ ۱۹۱۱ء

جلد ۱ نمبر ۹

فہرست مضامین

ایڈیٹر و پبلشر - پیارے لال آشوب و چندی پرشاد شیدا دہلوی

مقام اشاعت سڑک جدید - دہلی -

سنٹرل پریس دہلی میں باہتمام بابو چاند نرائن چھپ کر شائع ہوا

قیمت سالانہ معہ محصول ڈاک عا - یہ رسالہ علاوہ ہندوستان کے غیر ممالک میں بھی جاتا ہے -

فی پرچہ ۳ آنہ

قواعد وضوابط

(۱) یہ رسالہ بسرپرستی عالیجناب نواب فخرالدولہ سر میرزا امیر الدین احمد خان صاحب بہادر کے سی آئی ای فرمانروای ریاست لوہارو و عالیجناب کنور بہاری کرشن صاحب فروغ وکیل دہلی و لالہ سری رام صاحب ایم اے مصنف و مؤلف تذکرہ خمخانہ جاوید و نواب سراج الدین احمد خان صاحب سائل دہلوی ہر مہینے کی آخر تاریخ کو ہندوستان کے نامی گرامی دار الخلافہ زبان اردو کی ٹکسال شہر دہلی سے شائع ہوتا ہے۔

(۲) قیمت سالانہ عام پیشگی عہ معاونین سے عہ مہربان رؤسا عظام سے للعہ گورنمنٹ و والیان ملک سے جو کچھ عطا ہو

(۳) جواب طلب امور کے لیے آدھ آنہ کا ٹکٹ یا جوابی کارڈ آنا چاہیے ورنہ جواب نہ پہنچنے کا شکوہ نہ ہوگا

(۴) ہر نمبر میں غزل طرح مشاعرہ کا منتخب شائع ہوگا۔ فارسی کا کلام فی شعر اجرت پر چھپ سکتا ہے۔

(۵) طرحی غزلیات کے علاوہ نتیجہ الطبع مفید مضامین، دلچسپ قطعات و قیمتی افسانے وغیرہ بھی زمانہ حال کے مذاق کے مطابق درج گلدستہ ہوا کرینگے۔

(۶) چندہ سالانہ بذریعہ منی آرڈر وصول ہونا چاہیے۔ یا وی پی کی اجازت ہو۔

(۷) نمونہ کا پرچہ ۳ کے ٹکٹ آنے پر حاضر خدمت ہوگا۔

(۸) اگر کوئی نمبر وقت پر نہ پہنچے تو اسے پہلے اطلاع دینے سے مفت ورنہ قیمتاً روانہ ہوگا۔

(۹) گلدستہ بلا وصول پیشگی قیمت کسی صاحب کے نام جاری نہیں ہو سکتا۔

(۱۰) مضامین و غزلیات وغیرہ ہر انگریزی مہینے کی ۱۰ تاریخ تک صاف و خوشخط علیحدہ علیحدہ کاغذ پر مع نام و پتہ آنا چاہئیں۔

(۱۱) ناظرین کے مذاق کے مطابق ایک عجیب ناول کا سلسلہ بھی بطور ضمیمہ ہمیشہ شامل گلدستہ رہے گا۔

(۱۲) جملہ خط و کتابت و ترسیل زر بنام کنور بہاری کرشن صاحب فروغ وکیل سرپرست رسالہ ہذا نئی سڑک دہلی یا بنام ایڈیٹران ہونی چاہیے۔

نوٹ۔ یہ رسالہ شائقین شہر کو دہلی سنٹرل پریس یا اڈیٹران سے ہر وقت ۳ از نقد قیمت پر مل سکتا ہے۔ کم از کم مبلغ عہ سالانہ چندہ عطا فرمانے والوں کا نام نامی ایک سال تک فہرست معاونین میں درج رسالہ ہوتا رہیگا

پیارے لال رونق دہلوی و چندی پرشاد شیدا دہلوی۔ اڈیٹرز



نظام شمسی

اہل ہند نے اس عالم بالا کے [illegible] کو سماں کہتے ہیں (بے شمار سیاروں [illegible]
سات ستاروں کو بڑا مانا ہے اور ان ہی کے ناموں ہفتے کے سات دن [illegible]
[illegible] جو ساری دنیا میں رائج ہیں جس سے پتہ ملتا ہے [illegible] سب [illegible] علمی خواں [illegible]
[illegible] کیونکہ سات دن کا ہفتہ اور بارہ مہینے [illegible]
[illegible]

آفتاب [illegible]
[illegible]
[illegible]

عطارد [illegible]
[illegible] تین ہزار دو سو [illegible] میل [illegible] آفتاب کے گرد [illegible]
[illegible] کرتا ہے [illegible] ایک گھنٹہ میں [illegible]
[illegible]
[illegible] اگر توپ [illegible]
تو اس کا [illegible] تک [illegible] سات سال [illegible]

زہرہ۔ یہ ستارہ [illegible] سے [illegible] روشنی [illegible] دور ہے [illegible]

ہیں سورج کے گرد ایک [illegible] طارد سے بڑا لیکن
زمین سے چھوٹا ہے کیونکہ [illegible]
زمین دھمی پر ہم رہتے [illegible] سیارے [illegible] ہزار
میل اسکا قطر ہے آفتاب کے [illegible] دن [illegible] گھنٹہ ۴۸ منٹ ۴۸ سکنڈ میں گھوم
جاتی ہے اور فی گھنٹہ [illegible] پہنچتی ہے توپ کے گولہ سے ایک سو ہنپنیس گنی اسکی
رفتار زیادہ ہے چاند اور سو [illegible] ل ہے اور ایک دن میں اپنے محور پر ایک دور تمام
کرتی ہے اور یہ رفتار اسکی فی گھنٹہ ہزار میل ہے۔ زمین کی ان دونوں حرکتوں کی تشبیہ جو ایک
تو آفتاب کے گرد اور دوسری اپنے محور پر گھومتی ہے غبارے سے دی جاسکتی ہے کہ
جیسے کہ غبارہ ایک حرکت سے تو آفتاب کی طرف جاتا ہے اور دوسری حرکت سے گھومتا جاتا ہے
چاند۔ فاصلہ کی زیادتی سے آفتاب کی روشنی زمین تک کم پہنچتی ہے اس واسطے قدرت
نے زمین کو ایک قندیل عطا کی ہے جسے ہم چاند کہتے ہیں۔ اور ستاروں کی بہ نسبت چاند
زمین سے بہت قریب ہے۔ لیکن اس نزدیکی پر بھی ۲ لاکھ ۴۰ ہزار میل کے فاصلہ پر ہے۔
چاند کا قطر دو ہزار ایکسو اسی میل ہے۔ زمین کے گرد ۲۹ دن ۱۲ گھنٹہ میں گھوم جاتا ہے۔
اور فی گھنٹہ دو ہزار دو سو نوے میل چلتا ہے جو صورتیں کہ چاند میں نظر آتی ہیں وہ دریا
پہاڑ اور سایہ ہیں۔ زمین کے باشندے اسکی نزدیکی کی وجہ سے اسکی حقیقت زیادہ معلوم
کرسکتے ہیں سنہ ۱۹[illegible]ء میں ایک شخص بیان کرتے تھے کہ ہر برس کی بڑی نمایش میں جو سنہ ۱۹۰[illegible]
میں ہوئی تھی ایک بڑی دوربین سے دیکھا گیا تو زمین کی طرح چاند میں بھی آبادی معلوم
ہوئی۔ وہاں کے باشندے کسی قدر پست قد اور برہنہ دیکھے گئے۔ اُنکے جسموں پر
تقریباً ایک ایک فٹ سنہری بال اور وہ ایک قسم کا پھل کھاتے تھے جو خربزہ کی
مانند تھا۔ اور ایک نئی قسم کے جانور جو قد میں بھیڑ کی مانند تھے۔ درختوں کے نیچے بیٹھے
ہوئے دیکھے گئے۔ منجملہ دیگر عجائبات کے ایک سنگین اور خوبصورت قلعہ تھا جو سراپا
سنگ سفید کا دکھائی دیتا تھا۔ یہی کیفیت غالباً دوسرے سیاروں کی بھی سمجھ لینی چاہیے
جیسا کہ یہ ستارہ ہم کو چاند معلوم ہوتا ہے۔ لیکن چاند کی چاندنی کی بنسبت زمین کی روشنی

چاند پر ستر حصہ زیادہ [illegible] زمین چاند سے نسبتاً بڑی ہے۔

مریخ۔ یہ ستارہ اپنی جسامت میں زمین سے بہت چھوٹا ہے اور آفتاب سے ۱۴ کروڑ ۵۰ لاکھ میل دور ہے۔ اور اس دوری کی وجہ سے وہاں کے باشندوں کو آفتاب آدھا نظر آتا ہے۔ مریخ ایک گھنٹہ میں ۲۵ ہزار میل چلتا ہے اور آفتاب کے گرد ۶۸۷ دن میں گھوم جاتا ہے قطر اس کا صرف ۴ ہزار دو سو میل ہے۔ وہاں کے باشندوں کی صورتیں آدمیوں کی سی ہیں البتہ اس قدر فرق ہے کہ بجائے پانوں کے انکے کھر معلوم ہوتے ہیں اور بندر کی سی دم دیکھنے میں آتی ہے وہ ترقی اور تہذیب میں ہم سے بہت زیادہ ہیں۔ اور علم طبیعات میں ان کو خاص قسم کا ملکہ ہے۔ زمانۂ حال کے علماء سائنس اہل مریخ سے گفتگو کرنے کی دھن میں لگے ہوئے ہیں اور مسٹر ولیم مارکونی کو تو یہاں تک دعوی ہے کہ سنہ ۱۹۱۶ یا سنہ ۱۹۱۷ تک وہ اپنی بے تار کی تار برقی سے مریخ تک پیغام پہنچا دینگے ۔

مشتری۔ اس ستارے کا قطر ۹۰ ہزار میل یعنی زمین سے ۱۴۰۰ گنا بڑا ہے اور آفتاب سے ۵۰ کروڑ میل کے فاصلہ پر ہے ۔ اس دوری سے آفتاب کی روشنی وہاں کم پہنچتی ہے اس واسطے قدرت نے مشتری کو ۴ چاند عطا کئے ہیں اور وہ اپنی روشنی سے مشتری کو منور کرتے ہیں اور اس ترتیب سے پھرتے ہیں کہ وہاں کبھی اندھیرا نہیں ہوتا۔ ان چاندوں میں کوئی ہماری زمین سے بڑا کوئی چھوٹا ہے۔ پہلا چاند مشتری سے ۲ لاکھ ۶۱ ہزار میل دور ہے اور ایک دن آٹھ گھنٹہ میں مشتری کے گرد گھوم جاتا ہے۔ مشتری کے باشندوں کو عطارد۔ زہرہ۔ مریخ۔ اور ہماری زمین نظر نہیں آتی۔ اس سیارے کی چال فی گھنٹہ ۲۹ ہزار میل ہے ۔

زحل۔ اس کا قطر ۷۹ ہزار میل یعنی زمین سے ۶ سو گنا بڑا اور آفتاب سے ۹۰ کروڑ میل دور ہے اور سورج کے گرد ۳۰ برس میں اپنا دورہ تمام کرتا ہے اگر آفتاب سے توپ چھوڑی جائے تو اس کا گولہ زحل تک ۲۰۰ پندرہ برس میں پہنچے گا۔ اس کے گرد سات چاند دورہ کرتے ہیں اور زحل کے باشندے ایک رات میں کئی چاند دیکھ سکتے ہیں۔ ان چاندوں کے علاوہ زحل کے گرد ایک منور حلقہ اور بھی ہے جو زحل تک روشنی پہنچاتا ہے۔ اور یہ اتنا بڑا ہے کہ زمین سے

ہزاروں عالم اُس میں سما سکتے ہیں صرف چوڑائی ہی ۱۷۲۰۰۰ میل کی ۲۷ ہزار میل ہے زحل کے چاند اور یہ منور حلقے دوربین سے صاف نظر آتے ہیں۔ اہل زحل ہماری زمین کو نہیں دیکھ سکتے البتہ وہ اگر دوربین سے دیکھیں تو ایک نقطہ کی برابر نظر آسکتی ہے۔ (ایڈیٹر)

ہوائی گاڑی

ہر فرد بشر کے دل میں قدرتی یہ خواہش ہوتی ہے کہ پرند کی طرح عالم ہوا کی سیر کرے اور بلندی سے قدرت کی نیرنگیوں کا تماشا دیکھے۔ غبارہ کا ہوائی گاڑی سے مقابلہ کرتے وقت یہ کہنا شاید بیجا نہ ہوگا کہ دونوں میں وہی تفاوت ہے جو بچوں کی لکڑی کے گھوڑے اور زمانہ حال کی موٹر کار میں ہے۔ موٹر کار کے موجد نے پہلے پہل ایک چھوٹی سی گاڑی میں اپنی پیاری چڑیا بلبل کو کرہ ہوا کی سیر کرا کے موجودہ ہوائی گاڑی کی بنیاد قائم کی تھی۔ اور اس دن سے یہ کوشش ہوتی رہی کہ کسی نہ کسی طرح ہوائی جہاز بھی ایجاد ہوں جو زمین کے اوپر ہی اوپر سینکڑوں کوس نکل جائیں۔ گاڑی کی ساخت بالکل سیدھی سادھی ہے مختلف مسافروں کے بوجھ کو اس طرح تقسیم کیا جاتا ہے کہ گاڑی کے ہر ایک حصہ پر بہت ہی کم بوجھ پڑے اور یہ تقسیم کچھ اس خوش اسلوبی سے کی گئی ہے کہ گاڑی کے لیئے مسافر کا عدم وجود برابر ہے گاڑی کا جزو اعلیٰ ایک چھوٹی سی کل ہے جو ساخت میں بہت معمولی ہوتی ہے کل پرزوں کو حرکت میں لاتی ہے اور گاڑی کو ایک پرند بنا دیتی ہے جو مسافر کو اپنے پروں پر بٹھائے خوشی خوشی اس لطیف عنصر ہوا میں لیئے پھرتی ہے اور لطف دوبالا کرتی ہے۔ پروں کی حرکت کم وبیش کر کے مسافر اپنا رخ اور اپنی رفتار کو بدل سکتا ہے۔ غرض یہ مصنوعی پرند جسکی جان اور طاقت برقی قوت پر منحصر ہے حضرت انسان کی تابعداری سے ذرا بھی انحراف نہیں کرتا ہے ڈیلی میل کے انعام کے مشتہر ہوتے ہی لوگوں کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہوگیا کہ یہ انعام اس ہوائی گاڑی کے موجد کا حصہ ہوگا جسکی گاڑی اتنے لمبے سفر کے قابل ہو مگر تاریخ ایجاد اس امر کی شاہد ہے کہ موجد کی قسمت میں یہ انعام نہیں ہوا کرتا اپنے قیمتی

وقت اور دماغ صرف کرنے والا موجب انعام کا شاید اسقدر مستحق نہیں جسقدر کہ اس کا استعمال کنندہ ہے بشرطیکہ وہ جان ومال کھپا کر اس میں کمال حاصل کر سکے۔ موجد کی اکثر یہی خواہش ہوا کرتی ہے کہ کوئی نہ کوئی اسکی ایجاد میں کمال حاصل کر کے دنیا کو عالم تحیر میں ڈالے اور اسکے لیئے اطراف عالم سے تحسین وآفریں کے نعرے بلند ہوں۔ اِس انعام کے لینے والے مسٹر ویررائٹ کا بھی یہی حال تھا اُسنے اپنی جان عزیز اس ہوائی گاڑی کی نذر کردی تھی۔ چونکہ سفر خطرہ سے خالی نہ تھا اس لیئے اپنی جان ہتیلی پر رکھے ہوئے سفر کرتا تھا۔ گاڑی چالیس میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلتی ہے۔ اور سفر نہایت کامیابی کے ساتھ کیا گیا۔ لوگوں کے دلوں میں یہ خیال بھی پیدا ہوتا ہے کہ یہ گاڑی سو یا دوسو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے جاسکیگی۔ مگر کئی وجہ سے لمبے سفر میں کم رفتاری کو ترجیح دیجاتی ہے۔ پرندوں کی پرواز میں بھی اکثر مبالغے سے کام لیا جاتا ہے کوا بیس میل فی گھنٹہ کی رفتار سے زیادہ نہیں اُڑ سکتا۔ ہاں جنگلی بطخ ہی لمبے سفر میں بہت تیز اُڑ سکتی ہے مگر وہ بھی چالیس میل کی رفتار سے زیادہ کبھی اُڑتی ہوئی نہیں دیکھی گئی۔ ہوائی گاڑی میں کئی مرتبہ دیکھا گیا ہے کہ وہ پرند جو آگے اُڑتے ہوئے دکھائی دیتے تھے بہت پیچھے رہ گئے ہیں اور جان کی حفاظت اُنکو کسی دوسری سمت میں لیگئی ہے۔ ہاں تو کبوتر آندھی کے رُخ چالیس میل کی رفتار سے زیادہ اُڑ سکتا ہے ؎

ہوائی گاڑی آیندہ زمانے میں بہت ہی مفید ثابت ہوگی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ عمدہ اور مضبوط بنی ہوئی دوسو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے نہ جا سکے اُمید ہے کہ چند سال کے عرصے میں یہ اُڑنے والی گاڑیاں عام ہو جائیں گی اور قیمت صرف چھ سات سو روپیہ پر آٹھہریگی اور متوسط درجے کے لوگ بھی اسکے لطف سے محروم نرہیں گے۔ ولایت میں ایک کلب بننے کی تجویز ہو رہی ہے جسکے اجلاس ہوائی گاڑیوں پر ہوا کرینگے اور اُمید ہے کہ چند سال کے اندر ہی غباروں کی دوڑ ایک پُرانی چیز معلوم ہونے لگے گی اور ہوائی گاڑیوں کی بدولت آسمانی سیر کا حظ اُٹھایا جائیگا ؎

(ایڈیٹر)

انجمن اتحاد سخن دہلی

اِس انجمن کا ماہواری مشاعرہ بتاریخ ۲۸ جنوری ۱۹۱۱ء بروز آخر ہفتہ مکان سعینہ واقع سڑک جدید نہایت شان و شوکت کے ساتھ منعقد ہوا۔ بوجہ جلسۂ مسلم لیگ کے شعرا کسیقدر کم تشریف لائے تھے البتہ تعداد سامعین بہت زیادہ تھی۔ عالیجناب نواب سیّد غوث محمد صاحب غوث رئیس دہلی و آنریری مجسٹریٹ ریاست بھرتپور کی تحریک اور پیارے لال رونق کی تائید سے عالیجناب نواب سعیدالدین احمد خان صاحب طالب رئیس دہلی و جاگیردار ریاست لوہارو صدر انجمن مقرر ہوئے۔ قریب ساڑھے نو بجے کے شمع کو گردش دی گئی۔ نواب صاحب ممدوح نے چند شعر غیر طرح پر فرمائے جو نہایت ہی پرلطف اور زوردار تھے۔ تمام غزلیات طرح اور غیر طرح ہر ایک صاحب نے بقدر لیاقت بہت عمدہ عمدہ پڑھیں جس سے سامعین کمال محظوظ ہوئے یہ مشاعرہ ایک بجے شب کو جناب صدر انجمن کے شکریہ کے ساتھ ختم کیا گیا۔ آیندہ کے لیئے مصرع طرح حسب ذیل اعلان ہوا "عیسیٰ ہیں سینکڑوں کوئی بیمار بھی تو ہو" یار وغیرہ قافیہ

فہرست سرپرستان و معاونین رسالہ ہذا

عالیجناب صاحبزادہ شبیر علیخانصاحب بہادر خلف رشید حضور پرنور نوابصاحب خلد آشیان ریاست رامپور

عالیجناب نواب سعیدالدین احمد خانصاحب طالب رئیس دہلی و جاگیردار ریاست لوہارو

عالیجناب الحاج بابو بل صاحب رئیس انگنیر دہلی۔

عالیجناب رائے بشمبر ناتھ صاحب اکزکٹو انجنیر درجۂ اول رئیس دہلی۔

عالیجناب لالہ سری رام صاحب ایم اے۔ مؤلف تذکرہ خمخانۂ جاوید۔ رئیس دہلی

عالیجناب کنور بدری کرشن صاحب فروغ وکیل دہلی و رئیس سکندرآباد۔

عالیجناب سید وحید الدین احمد صاحب بیخود۔ دہلوی

عالیجناب لالہ سری کشنداس صاحب ساہو گوڑوالے آنریری مجسٹریٹ و رئیس دہلی۔

عالیجناب رائے بہادر لالہ شو پرشاد صاحب رئیس دہلی۔

عالیجناب شفاءالملک حکیم رضی الدین احمد خانصاحب آنریری مجسٹریٹ دہلی

عالیجناب ابوالمعظم نواب سراج الدین احمد خانصاحب سائل دہلوی

عالیجناب نواب سید محمد غوث صاحب غوث رئیس دہلی و آنریری مجسٹریٹ ریاست بھرتپور

عالیجناب بابو مہاراج کرشن صاحب رئیس دہلی۔

عالیجناب لالہ رامچندر صاحب آئرن مرچنٹ و رئیس دہلی

عالیجناب پنڈت شو نرائن صاحب شرما وید دہلی۔

عالیجناب بابو بھولا ناتھ صاحب سب پوسٹ ماسٹر دہلی۔

عالیجناب لالہ برجموہن لال صاحب رئیس دہلی۔

عالیجناب مولوی محمد حیات بخش صاحب رسا وکیل و شاعر دربار مصاحب اعلیٰ سرکار ریاست رامپور

عالیجناب لالہ جھبو مل صاحب رئیس دہلی۔

مسمریزم

دنیا میں جسقدر غلط فہمی اس علم کے متعلق موجود ہے شاید ہی کسی علم و فن کے متعلق اتنی ہو مگر قدامت کے لحاظ سے بھی اس علم کی تاریخ پر ہم غور کریں تو دنیا کی تاریخ کا جہاں تک پتہ چلتا ہے اسکا نشان بھی وہیں تک پایا جاتا ہے۔ لاکھوں کیا بلکہ کروڑوں سال قبل مسیح ہم اس علم کے عجیب و غریب کرشمے ہندوستان میں دیکھ سکتے ہیں۔ جہاں یہ خاص طور پر مذہبی ... اور خصوصاً یوگیوں کے قبضہ میں "گپت ودیا" کے نام سے عوام کے دلوں پر اپنا رعب جمائے ہوئے ہے "راج یوگ" اور "ہٹ یوگ" کے درمیان حد فاصل بنا ہوا ہے اکثر بڑے بڑے مذہبی مقتدا اسی کے ذریعے سے غیب کی باتیں بتا رہے ہیں۔ کہیں مشعلوں کے ذریعے سے گزشتہ واقعات کی خبریں دی جا رہی ہیں کہیں فہمی پھر ... میں دیکھکر دنیا کے حالات سے واقفیت بہم پہنچائی جا رہی ہے کہیں مصیبت زدوں کو اطمینانِ قلب۔ مریضوں کو شفا۔ منکروں کو روحانی قوتوں کا ثبوت اسکے ذریعے سے دیا

جا رہا ہے "راج یوگ اور ہٹ یوگ" یہ دو طریقے یوگ کے ہیں جنہیں "راج یوگ" خالص عشق الٰہی میں مبہوت ہو کر خدا رسی کے لیئے ریاضت وغیرہ کیجاتی ہے۔ مگر "ہٹ یوگ" میں اپنے قوائے روحانی و قلبی کو اکثر شوقیہ ترقی دیتے ہیں جسکے ذریعے سے مختلف طاقتیں ہٹ یوگی کو حاصل ہو جاتی ہیں۔ یہ تمام طاقتیں راج یوگی کو بھی ضمناً حاصل ہو جاتی ہیں لیکن نہ وہ اس کا استعمال کرتا ہے اور نہ اُس کا اظہار کیونکہ وہ اسکو شعبدہ بازی سے زیادہ نہیں سمجھتا۔ "گپت ودیا" یا آجکل کی اصطلاح میں "مسمریزم" یہ اُس زمانے میں اِس ترکیب کا علم تھا کہ جسکی ضرورت راج یوگی اور ہٹ یوگی دونوں کو ہوتی تھی۔ علاوہ دیگر تمام باتوں کے امراض کے علاج میں اِس کا استعمال خاص طور سے ہوا کرتا تھا۔

ہندوستان کے بعد مصر میں اسکی موجودگی کا پتہ تقریباً تین ہزار برس قبل مسیح تک چلتا ہے۔ مصر کی ایک قدیم تاریخ جس کا نام "ایبرس پیپرس" ہے اِس کا ترجمہ جرمن زبان میں ڈاکٹر ہنری یوشم نے کیا ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ ۱۵۵۲ء قبل مسیح سے بہت پہلے مصر میں ایسے ایسے لوگ موجود تھے جو صرف ہاتھ رکھکر مرض کو دور کر دیتے تھے مصر میں بھی یہ فن مذہبی پجاریوں کے ہاتھ میں تھا۔ جو اِس سے قریب قریب اُتنے ہی کام لے سکتے تھے جتنے ہندوستان کے یوگی۔ مصر میں یہ فن ہندوستان ہی سے گیا تھا۔ لیکن اِسکی تاریخ کا ٹھیک پتہ لگانا ناممکن ہے۔

اُسی زمانے یا اُسکے کچھ بعد جاپان میں بھی ایسے ایسے مذہبی پیشواؤں کی موجودگی ثابت ہوتی ہے۔ جو قریب قریب ہندوستان کی طرح بعض اوقات مصریوں سے زیادہ اِس علم سے کام لیتے رہے ہیں۔ اِس میں شک نہیں کہ جاپان میں بھی یہ طریقہ ہندوستان ہی سے پہنچا۔ پہلی صدی عیسوی میں ناسٹکس میں یہ طریقہ مذہبی رسوم ادا کرتے وقت خصوصاً استعمال کیا جاتا تھا۔ تقریباً دو ہزار سال سے بھی زیادہ عرصہ ہوا کہ ایران میں ایک خاص فرقہ اسکے ذریعے سے بڑے بڑے کام لیتا تھا۔

دنیا کی کوئی قوم ایسی نہیں جہاں ہاتھ رکھ کر پھونک کر۔ یا جھاڑ کر محض تصور سے علاج نہ کیا جاتا ہو۔ اگلے زمانے کی شائستہ قوموں کا حال تو ابھی ہمنے لکھا ہے لیکن

لیکن وحشی قوموں میں بھی اس کی سحر بازی کے آثار کچھ نہ کچھ پائے جاتے ہیں۔

موجودہ مہذب قوموں اور مذاہب میں بھی یہ ہے۔ بعد کے حالات دیکھو تو مسلمانوں کے ہاں کا حاضرات کا طریقہ یعنی مؤکل یا جن یا ہمزاد کو تابع کر کے عمل کرنے کا قاعدہ بھی وہی ہے۔ اسلام سے پہلے عیسائی راہبوں اور بت پرستوں میں بھی یہ علم پایا جاتا تھا۔

ایک زمانے کے بعد جب مذہبی کشاکش زیادہ ہونے لگی اور ہر فرقے کے لوگ ناسمجھی کے سبب اِن باتوں سے اپنے اپنے مذہب کی عظمت ثابت کرنے لگے تو ہر فرقہ میں اِس علم کو خاص طور سے ترقی دیجانی شروع ہوئی۔ اب یہ علم بہت زیادہ مذہبی رنگ پکڑ گیا۔ مذہبی اصول اِس کے اصول ہو گئے اور راج یوگ۔ تصوف کے معنی بھی غلطی سے یہی سمجھے جانے لگے کہ انسان میں مختلف کرشمے دکھانے کی قوت ہو جائے۔ مگر ہر مذہب میں کوئی نہ کوئی خاص فرقہ ایسا بھی موجود تھا جو اُسکی اصلیت سے باخبر تھا اور راج یوگی اسے شعبدہ بازی سمجھ کر اس سے نفرت کرتے تھے کیونکہ وہ ایسے ایسے کشف و کرامات میں پھنس جانیکو عشق الٰہی کم ہونیکا ذریعہ خیال کرتے تھے۔

ان اعتراضات کی وقعت اُس وقت اور بھی زیادہ بڑھ جاتی ہے جب ہم عشق مجازی (دنیوی عشق) کی مثالیں دیکھتے ہیں جن میں عقل و ہوش کو اول خیرباد کہدیا جاتا ہے۔ معشوق اور صرف معشوق کا خیال دل میں رہتا ہے۔ اور تمام شان و شوکت سے دل برداشتہ ہو جاتا ہے۔ کمال روحانی حاصل ہو جانے کے بعد طبیعت کو سیری نہیں ہوتی بلکہ روز بروز نئی نئی تجلیات کی خواہش دل میں پیدا ہوتی چلی جاتی ہے یا بالفاظ دیگر دوئی کے پردوں کا اُٹھ جانا انسان کو ایسا محو رکھتا ہے کہ اسے اور کسی چیز کی سدھ بدھ ہی نہیں رہتی لیکن خواہش تجلیات ایک خاص حالت ہے جو اکثر صورتوں میں پائی جاتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ انسان کی گری ہوئی حالت کو ترقی دینے کی کوشش کرتا۔ کیونکہ انسان پر اوپکار یعنی دوسروں کی خدمت کرنے کے لیئے پیدا کیا گیا ہے اور یہ فرض اس کو اُس وقت زیادہ محسوس ہونے لگتا ہے جب وہ قید نفس سے آزاد ہونا شروع ہوتا ہے۔ اپنے دوسرے ہمجنسوں کی گری ہوئی حالت سنبھالنے کے لیئے اُن کے خیالات بعض وقت فوراً

ہی پھیر نے ہوتے ہیں۔ جس کے لئے کرامت کا ظاہر کرنا اکسیر کا حکم رکھتا ہے۔ اور ایک مرتبہ اظہار کرامت ہونے ہی جوق جوق خلقت اُمڈ آتی ہے۔ جن میں جاہل عالم۔ کم ظرف عالی ظرف۔ ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جاہلوں کے عقائد اکثر دلیل کے محتاج نہیں ہوتے۔ اُس پر ایک انوکھی طاقت حاصل کرنے کا شوق اُن سے ایسی سخت محنتیں اور ریاضتیں کرا دیتا ہے کہ اُنھیں کچھ نہ کچھ حاصل ہو ہی جاتا ہے مگر کم ظرفی یا عالی ظرفی تو جہل اور علم پر منحصر نہیں۔ اِس لئے اکثر جاہل لوگ ایسی عالی ظرفی کا ثبوت دے جاتے ہیں کہ گرو جی یا مرشد صاحب کو اُن پر بہت اعتماد ہو جاتا ہے۔ اور وہ بہت کچھ حاصل بھی کر لیتے ہیں۔ بعض جو اتنے بڑے ظرف کے نہیں ہوتے اُن کو انکی جفاکشی۔ خدمات اور ریاضتوں کے صلے میں دو چار اَنچھر بتا دیئے جاتے ہیں اور یہی وہ مہلک فرقہ ہے جو ہلدی کی گرہ پاکر پنساری بن بیٹھتا ہے۔

ہندوؤں میں بہت سے "ہٹ یوگی" سادہو۔ سوامی وغیرہ۔ اور مسلمانوں میں سینکڑوں شاہ صاحب قلندر صاحب۔ سائیں جی۔ اخوند جی۔ پیر جی۔ اور بہت سے عامل اِسی گروہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

اب یہ سوال بالکل بیجا نہیں رہتا کہ یہ فن شریف ایسے ہاتھوں میں گیا ہی کیوں جو اسکی قدر نہیں کر سکتے تھے۔ کبھی کبھی ان دو چار اَنچھر جاننے والوں کو بھی یا تو اپنے ذاتی فوائد یا اصلاح کے واسطے جب اظہار قوت کی ضرورت پڑی تو خلقت نے ان کا پیچھا کیا اور انھوں نے بھی اپنی لیاقت کے موافق ہر ایک کو کچھ نہ کچھ دے ہی دیا۔ اِنکے چیلوں میں سے کوئی ایسا ہو گیا کہ جسے کچھ لطف آنے لگا تو وہ آئندہ ترقیوں کے خیال سے ادہر اُدہر نکل کھڑا ہوا اور نہ اکثر [illegible] ہیں جنھیں صرف ایک یا دو ہی لٹکے آتے ہیں یہ فرقہ رفتہ رفتہ کچھ تو اس خیال سے کہ جو کچھ انھیں آتا تھا ہر گھڑی اپنا رعب جمانے کے واسطے دکھاتے رہتے تھے اور کچھ اپنی کثرت کے لحاظ سے بھی دنیا کے ہر مذہب میں زیادتی کے ساتھ پھیلنا شروع ہو گیا۔ ان لوگوں کی کرامتیں زیادہ تر گپت ودیا یا علم باطنی پر منحصر نہ تھیں بلکہ اکثر اوقات شعبدہ بازی اور ابلہ فریبی کو ان میں اہم خوبی سے شامل

کر لیا جاتا ہے کہ خلقت اچھی طرح دھوکہ میں آجائے۔

آجکل بھی ہنود و مسلمانوں میں بہت سے ایسے عامل موجود ہیں جو اکثر امراض کے واسطے پوری دوا بتا دیتے ہیں اور ایک جھوٹ موٹ کا تعویذ بھی اسکے ساتھ گھول کر پی لینے کو دیدیتے ہیں۔ اہل غرض کا دل معمولی آدمیوں کا سا نہیں ہوتا۔ ضرورت کے وقت آدمی کو صرف اپنے فائدے ہی سے غرض رہتی ہے۔ اس وجہ سے ان حضرات کا جعل بے خبر اور باخبر دونوں قسم کے لوگوں پر چل جاتا ہے یہی حالت اب تک بھی قائم رہتی بلکہ اس میں روز بروز ترقی ہوتی جاتی۔ اگر اٹھارہویں صدی کے آخر میں ڈاکٹر مسمر کی تحقیقات سے معاملات کی حالت دگرگوں نہ ہو جاتی۔

۱۷۳۴ء میں ڈاکٹر مسمر ملک آسٹریا کے دار الخلافہ وائنا میں پیدا ہوا اور ۱۷۶۶ء کے بعد اسنے وہاں کے علم نجوم کے قواعد کے مطابق مقناطیس کے ٹکڑوں کے ذریعے سے ستاروں اور سیاروں کے اثرات دیکھکر مرضوں کا علاج کرنا شروع کیا۔ ایک مرتبہ بالعوض مقناطیس کے اُسنے تانبے کے ٹکڑوں سے بھی کام لیا۔ اور نتیجہ حسب مراد نکلنے پر اُس کا خیال دوسری طرف رجوع ہوا۔ پھر اُسنے صرف ہاتھ سے کام لینا شروع کر دیا اور اُس میں کامیابی ہونے کے بعد یہ رائے ظاہر کی۔

(۱) نہ صرف اجرام فلکی کا اثر انسان پر ہوتا ہے بلکہ ہر انسان کا اثر بھی ایک دوسرے پر پہنچتا ہے

(۲) یہ اثر ایک دوسرے تک ایک خاص قسم کے رقیق مادے (اوڈ ائل) کے ذریعے سے پہنچتا ہے جو اپنے خواص میں مقناطیس سے بہت کچھ مشابہ ہے اور جو ہر طرف فضائے عالم میں پھیلا ہوا ہے۔

(۳) یہ مادہ اتنا لطیف ہے کہ معمولی طور سے انسان کو نظر نہیں آسکتا۔

(۴) صحت انسانی کا مدار اسی مادہ پر ہے۔ جب تک یہ مادہ اعصاب میں باقاعدہ گردش کرتا رہتا ہے صحت برقرار رہتی ہے اور جب کسی خاص وجہ سے بعض اعصاب میں سے یہ رقیق مادہ کم ہو جاتا ہے تو کوئی دوسرا خلط اُسکی جگہ لے لیتا ہے اور اُس جگہ مرض پیدا ہو جاتا ہے۔

(۵) یہ مادہ [illegible] معمولی [illegible] کے [illegible] ایک جسم سے دوسرے جسم تک بھی پہنچتا رہتا ہے۔

(۶) اگر انسان کافی ذریعہ بہم پہنچالیں تو وہ اپنی خواہش کے مطابق اس مادہ کو جتنا چاہیں اپنے یا کسی دوسرے کے جسم میں داخل کر سکتے ہیں۔

(۷) [illegible] متذکرہ بالا کا انحصار زیادہ تر قوت ارادی [illegible] دل یا [illegible] "کلیب" پر منحصر ہے

(۸) اس مادے سے علاوہ ازالہ مرض کے اور بہت سے کام لیئے جاتے ہیں اور قوت [illegible] کا انحصار زیادہ تر اسی پر ہے۔

[illegible] کے تمام [illegible] کا لب لباب ہے۔

[illegible] نہیں کہ ڈاکٹر مسمر نے یہی اصول نہیں قائم کئے تھے [illegible] سے [illegible] سب سے اول باقاعدہ تحقیقات [illegible] آپ نے اس علم کا نام مسمریزم [illegible]

[illegible] رقیق مادے سے [illegible] کچھ کام [illegible] توجہ زیادہ تر اسی شکل کی طرف رہی۔ اور مذکورہ بالا اصول [illegible] سے اس کے بعد قائم کیئے گئے۔ یہ تھوری تھوڑے ہی دنوں میں باوجود [illegible] کے خلقت کی توجہ اپنی طرف منعطف کرنے میں کامیاب ہوئی۔ آسٹریا۔ فرانس۔ جرمنی وغیرہ ممالک میں اس کے متعلق باقاعدہ تحقیقاتیں کی گئیں۔ اکثر رائے اسکے مخالف رہی۔ کبھی [illegible] ان اصحاب اسکے موافق بھی رہے۔

[illegible] میں مسمر کے انتقال کے بعد اسکے شاگردوں میں سے بہت سے اشخاص اسکے متعلق تحقیقاتیں کرتے رہے۔ لیکن مسمر کے حین حیات ہی میں اسکے ایک شاگرد چسٹینیٹ دی پائسی گور نے [illegible] میں اپنے تجربے سے یہ ثابت کیا کہ معمول میں ایک قسم کے خواب کی حالت پیدا کی جا سکتی ہے جس میں وہ عامل کے تمام احکام کی پابندی بلا حیل و حجت کرتا ہے۔ اور اس حالت میں لاکر ازالہ مرض میں بھی بہت مدد ملتی ہے۔

اس مادہ رقیق کا نام مسمر نے اینمل مگنیٹزم رکھا تھا۔ جس کا ترجمہ مقناطیس حیوانی

اتفاق سے اصلی لفظ سے زیادہ مطلب خیز ہے۔ سنسکرت زبان میں اسکو شیج کہتے ہیں۔
اینیمل مگنٹیزم کو میسمر نے اِس مقناطیسی قوت کے معنوں میں لیا تھا جس پر زندگی کا مدار
ہے مگر یہ معنی مقناطیس حیوانی سے زیادہ اچھی طرح سمجھ میں آتے ہیں۔ اور اُس حالت کا
نام جو پائیسی گو رنے طاری کی تھی خواب مقناطیسی رکھا گیا۔ چونکہ خواب مقناطیسی طاری
کرنے کے بعد ازالۂ مرض میں زیادہ آسانی ہوتی تھی اِس لیئے آیندہ سے تمام تجربات اسی
حالت میں ہونے لگے۔ اب اِس علم نے ایک نئی صورت اختیار کی۔

سنہ ۱۸۴۱ء میں ایک فرینچ ماہر مسمی لافونٹین نے شہر منچسٹر میں چند تجربات دکھائے
جن کو دیکھ کر ایک انگریزی ڈاکٹر مسمی بریڈ نے اس طرف توجہ کی۔ ادہر یہ فن یورپ
سے باہر نکلکر امریکہ میں بھی لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا رہا تھا۔ چنانچہ دو جگہ باقاعدہ دو مختلف
پہلوؤں کے ساتھ تحقیقات شروع ہوگئی امریکہ میں تھوڑے دن تک تحقیقات میں جب وہ تمام
نتائج نہ حاصل کیئے جا سکے جن کا کہ دعویٰ کیا جاتا تھا۔ تو دو خیر خواہان قوم اسکی تحقیق کے واسطے
گھر سے نکلے اُن میں سے ایک میم صاحبہ میڈم بلیوٹسکی تھیں اور ایک صاحب کرنل الکاٹ
تھے اِن دونوں بزرگوں نے اِس علم کو اسکے اصلی منبع و مخرج ہندوستان میں دریافت
کرنے کا ارادہ کیا۔ یہاں آکر مختلف سادھوؤں سے ملے۔ مگر جب یہ معلوم ہوا کہ اول تو اسکے
اصلی راز بتانے میں بخل سے زیادہ کام لیا جاتا ہے۔ دوسرے ہر گروکی تعلیم ایکدوسرے
سے ملتی جلتی نہیں تو ہمالیہ پار چلے گئے۔ جہاں بُدھ مذہب کے درویشوں کی ایک بڑی
تعداد فیض پہنچانے میں حسب ظرف مُرید دریغ نہیں کرتی تھی۔ وہاں اِن حضرات نے اچھی
طرح روحانیت کی طرف توجہ کی اور نہ صرف "گپت ودیا" سیکھی بلکہ اور بہت سے علوم سے
واقفیت حاصل کی۔ مختلف قسم کی ریاضتیں کیں اور اچھی خاصی روحانی قوتیں حاصل کر کے
خلقِ خدا کو فیض پہنچانے کی نیت سے نِکلے۔

سب سے پہلا کام جو اُنھوں نے کیا وہ سائنس اور مذہب کو تطبیق دینے کی کوشش
تھی جسکی باقاعدہ کارروائی جاری رہنے کے واسطے بنارس میں اول ایک سوسائٹی قائم
کی گئی۔ جس کا نام "تھیوسوفیکل سوسائٹی" ہے بعد ازاں مختلف ملکوں میں رفتہ رفتہ اس

قسم کی سوسائٹیاں قائم ہوتی رہیں۔

ادہر انگلستان میں ڈاکٹر بریڈ نے اپنی تحقیقات کا سلسلہ برابر جاری رکھا چونکہ وہ اصلی راز سے واقف نہ تھا اور محض ذاتی علم ہی کے بھروسہ پر سب کچھ کرنا چاہتا تھا۔ اس لیئے وہ ایک اور نتیجہ پر پہنچا اُسنے بہت سے تجربوں کے بعد یہ نتیجہ نکالا کہ انسان پر خواب مقناطیسی طاری ہوسکتا ہے لیکن یہ کسی مقناطیسیت یا روحانی طاقت کا نتیجہ نہیں بلکہ محض خیال جم جانے سے اعصاب میں ایک قسم کی تکان سی پیدا ہوجاتی ہے اور انسان پر ایک قسم کی غفلت طاری ہوجاتی ہے۔ چنانچہ مقناطیس حیوانی کی تھیوری کو رد کرکے اُسنے اس علم کا نام ہپناٹیزم رکھا جو یونانی لفظ ہپناس سے بنایا گیا ہے اور جس کے معنے صرف سوجانے کے ہیں۔

اب بیچارے مسمریزم کو مذبذب حالت میں چھوڑ کر دو فرقے قائم ہوگئے ایک نے اس کا نام تھیوصوفی یا اکلٹیزم رکھا جسکے معنے تصوف یا روحانیت کے ہیں اور صرف علاج ہی پر قناعت نہ کی بلکہ پھر اُن تمام روحانی قوتوں کا سرے سے دعوی کیا جو فی زمانہ اگلے زمانے کی گپیں سمجھی جاتی تھیں۔ اور جہانتک ہوسکا دلائل ساطعہ سے اُن تمام دعووں کو ذہن نشین کرنے کی کوشش کی۔ ان تھیوسوفسٹ میں سے میڈم بایوٹسکی کا پایہ سب سے علی تھا مگر عرصہ ہوا کہ وہ انتقال کرچکی ہیں۔ اور کرنل الکاٹ کا بھی انتقال ہوگیا۔ جو میڈم صاحبہ کے قریب قریب ہمرتبہ تھے۔ ہندوستان میں مسٹر اے۔ پی بسنٹ۔ اور مسز اینی بیسنٹ انکی یادگار اب موجود ہیں۔

آسٹریلیا اور نیوزیلینڈ میں مس لیلین ایجرایم اسے وغیرہ ہیں۔ یہ لوگ اپنی ریاضتوں میں بھی مصروف ہیں۔ باقاعدہ تحقیقات بھی کرتے ہیں اور خلقت کو امتحان کرنے کے واسطے دعوتیں بھی دیتے ہیں۔

دوسرے فرقے نے اس کا نام ہپناٹیزم یا بریڈزم ڈاکٹر بریڈ کی رعایت سے رکھا انھوں نے ڈاکٹر مسمر کو محض غلط فہمی کا شکار سمجھا۔ بلکہ اکثر نے تو اُسکو حریص خودغرض اور ایک فریبی بھی ٹھیرایا۔ اور صاف اعلان کردیا کہ باطنی قوت کوئی چیز نہیں مقناطیس

حیوانی محض دہوکے کی ٹٹی تھی اور جو کچھ ہے ہپناٹیزم ہے جس کا تعلق صرف معمول ہی سے ہے عامل کی بھی ضرورت نہیں۔ فرانس آجکل اس ہپناٹیزم کا خاص مرکز ہے جہاں دو شخصوں نے مختلف قواعد سے اسکی درسگاہیں قائم کی ہیں۔

خیر یہاں تک جو کچھ ہوا محض علمی شوق اور تحقیق کی غرض سے تھا جسکی پیروی چونکہ ذرا بے غرضی کا پہلو لیئے ہوئے تھی ہندوستان میں نہو سکی۔ انگریز بڑے تجارت کے دلدادہ ہیں اُنھوں نے ایک سوسائٹی اسکے متعلق قائم کرلی جس کا نام "سائنٹفک ریسرچ" رکھا گیا اور مسمریزم اور ہپناٹیزم کو خلط ملط کرکے ایک سلسلہ کتابوں کا چھاپا گیا جسکی قیمت پندرہ روپیہ رکھی گئی۔ اور جس کے خریداروں سے اول حلف رازداری لیا جاتا ہے۔ اس طرز کی ایک سوسائٹی امریکہ میں بھی قائم ہوئی جو لندن والی سوسائٹی کی شاخ ہے۔ اب ہم پھر ہندوستان کی طرف ناظرین کو متوجہ کرتے ہیں۔ اول تو یہاں مسمریزم یا ہپناٹیزم سے بہت کم واقف ہیں اور جو ہیں اُنھوں نے اس کو ایک مذہبی کام سمجھ رکھا ہے اس لیئے وہ اس کا اظہار بہت کم کرتے ہیں۔ اور دراصل جیسا کہ شروع میں ظاہر کیا گیا ہے ان کو ضرورت ہی کیا ہے اور فرصت ہی کہاں؟

لیکن مسمریزم جاننے کا دعوی کرنے والے بہت سے ہیں جنھوں نے آنکھیں لڑانے کا نام مسمریزم رکھ چھوڑا ہے اور جن کا خیال ہے کہ پانچ پانچ چھ چھ گھنٹے آنکھیں لڑانے سے کاغذ پر کالا قرص بنا کر دیکھنے سے چراغ کی طرف نظر کرنے سے۔ پھولوں پر نگاہ جمانے سے علم مسمریزم آجاتا ہے۔

بعض حضرات ایسے ہیں جنھوں نے پاس کرنے کا نام مسمریزم رکھ چھوڑا ہے افسوس ان کو خبر نہیں کہ ہم اصلیت سے بہت دور ہیں۔ غرضکہ ہندوستان میں جتنے بہت سے دعوی کرنے والے ہیں اُتنے ہی بہت سے قاعدے بھی ہیں" ہر کسے بخیال خویش خبطے دارد" مگر ان لوگوں کے افعال ان ہی تک محدود رہتے تو کچھ مضائقہ نہ تھا۔ خلق خدا کو لمبے لمبے دعوے کرکے دہوکے ہیں نہ ڈالنے کی کوشش کیجاتی۔ کوئی مسمریزم کا ماہر ہے اور کوئی صاحب اور کوئی حلقہ میں سیکھنے والے کو کامل بنا دینے کا دعویدار ہے

اور بعض تو ایک روپیہ پر ہی قانع ہیں اور وہ وہ قوتیں ودیعت کردینے کا وعدہ کرتے ہیں
جو شاید کسی بڑے سے بڑے عامل - سوامی یا ولی اللہ کو بھی سکھا دینے میں تامل ہوگا -
کیا لطف کی بات ہے کہ روحانی قوتیں غیر معمولی طاقتیں - حتیٰ کہ خدائی کا انتظام ۵ء
اور ۸ر میں بیچا جارہا ہے - افسوس صد افسوس -
لوگوں نے مسمریزم جیسے شریف علم کو کھانے کمانے کا ایک وسیلہ قرار دے
لیا ہے اور بھولے بھالے آدمیوں کے لیئے اِس کے پردے میں دام تزویر بچھا رکھا ہے
ہم پھر کسی وقت اِس علم کے متعلق ناظرین سے عرض کرینگے کہ ہندوستان میں پہلے
اِس علم کی کیا صورت تھی اور اب کس حالت میں پایا جاتا ہے + فقط

شیدا - دہلوی

جو خط جناب کنور **بدری کرشن** صاحب فروغ وکیل دہلی نے جناب نواب **سعید الدین احمد خانصاحب** طالب رئیس دہلی و جاگیردار ریاست لوہارو کے نام روانہ کیا تھا - جناب موصوف نے جو کچھ اسکے جواب میں ارشاد فرمایا ہے وہ بجنسہٖ ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے - مضمون نفس نفیس پرزور اور قابل داد ہے - یقین ہے کہ ناظرین اس سے لطف اٹھائیں گے (ایڈیٹر)

(جناب فروغ صاحب کا خط)

مکرمی - جناب طالب صاحب - تسلیم وشوق
رسالہ "نیرنگ" میں جو آپکی غزل کے اشعار پر کچھ اعتراضات چھپے ہیں اور جنکے جوابات
اڈیٹر "کمال دہلی" نے اپنی طرف سے بہت معقولیت کے ساتھ دے بھی دیئے ہیں لیکن
میرے خیال میں اگر آپ بھی اپنے اشعار کی نسبت کچھ ارقام فرمائیں تو اور بھی مستحسن ہوگا -
زیادہ نیاز - کنور بدری کرشن - وکیل -

مورخہ ۲۶ر جنوری سنہ ۱۹ء

حضرت طالب صاحب کا جواب

مشفق من - آپ بار بار تقاضا کر کے کیوں مجھے محجوب و منفعل فرماتے ہیں - غالباً آپ

سمجھتے ہونگے کہ آپ کے استفسار امر سے پہلو تہی کرتا ہوں - ہرگز نہیں - امر واقعی یہ ہے کہ مجھے یہ کاغذ کے گھوڑے دوڑانے پسند نہیں - لیکن بیہودہ اور لغو اعتراضوں کا جواب آپ لکھواتے ہیں صرف اس نظر سے کہ آپ کی تسلی و تشفی ہوجائے اور آپ یہ نہ سمجھیں کہ اعتراض اٹھ نہیں سکتے - مطلع اول پر جو اعتراض ہے اُس کا بہت مختصر جواب لکھتا ہوں

مطلع ہے

خارا شگاف آپ جو خنجر بنائیں گے ہم دل کو آپ کے لئے پتھر بنائیں گے

سب سے بڑا اعتراض "خارا شگاف" پر ہے کہ یہ صفت خنجر کی جنگجو جوانوں کی ہوسکتی ہے - معشوقوں کی نہیں ہوسکتی - شاہنامہ ملاحظہ فرمائیے - جہاں فردوسی - عنصری - فرخی - عسجدی سے ملاقی ہوا ہے تو ان چاروں نے ملکر ایک رُباعی گھڑی ہے -

عنصری - چوں عارضِ تو ماہ نباشد روشن

فرخی - مانند رخت گل نبود در گلشن -

عسجدی - مژگانت ہمی گذر کند از جوشن

فردوسی - مانند سنانِ گیو در جنگِ پشن

معلوم نہیں کہ عنصری جس معشوق کے عارض ماہ سے زیادہ منور بتاتا ہوا اور فرخی کو اُسکے رُخ کے مقابل گلشن میں کوئی گل نہیں دکھائی دیتا تو عسجدی ایسے معشوق کی مژگان ایسی کیوں قرار دیتا ہے کہ وہ کیسا سینہ پھوڑنے دل توڑنے پر بس نہیں کرتیں بلکہ جوشن کے پار ہوئی جاتی ہیں - اُس پر میاں فردوسی حاشیہ چڑھاتے ہیں مخصوص سنان گیو کی تشبیہ کا خاص جنگ پشن میں - جنگِ پشن وہ ہے جہاں پیران ویسہ نے طوس نوذری پر شب خون مارا ہے اور ایرانیوں کو تورانیوں سے شکست ہوئی ہے - اور ملاحظہ ہو دستان یعنی زال رستم کا باپ رودابہ پر عاشق ہوکر اس کے دولتسرا کی طرف جاتا ہے - رودابہ بھی لب بام آجاتی ہے اور جب دوچار ہوتے ہیں تو وہاں فردوسی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں - ؎

کمندے کشاد او ز سرو بلند کس از مشک زانسانہ پیچد کمند

ہمہ اندر خشم و مار بر مار بود	براں عنبریں تار بر تار بود
فروہشت گیسو ازاں کنگرہ	کہ ناز ید و شد تا بہ بن یکسرہ
پس از بارہ رو دابہ آواز داد	کہ اے پہلواں بچۂ گرد زاد
کنوں زود برتاز و برکش میاں	بر شیر بکشا و چنگ کیاں
بگیر ایں سر گیسو از یک سویم	ز بہر تو باید ہمی گیسویم

ظاہر ہے کہ حکیم طوسی نے معشوق کی زلف کو لاؤ کا رسا بنا دیا ہے۔ پھر میں نے اگر معشوق کے خنجر کو خار اشگاف بنایا تو کیا قصور کیا۔ اب رہا دل کا پتھر بنانا۔ سو کچھ ضرور نہیں کہ یہاں محاورے کا لحاظ کیا جائے اور اصطلاحی معنے لیئے جائیں۔ بلکہ واقعی معنے لیئے جائیں۔ یہ کیوں؟ اس لیئے کہ جب معشوق خنجر خار اشگاف بناتا ہے تو ہم دل کو پتھر بناتے ہیں تاکہ اُسے امتحان کرنے کے لیئے اور کسی پتھر کی تلاش و جستجو نہ ہو۔ ہم پر ہی امتحان کرے۔ اور عاشق صادق کی ہمیشہ یہی مُراد ہوتی ہے۔ کہ معشوق اپنی ہی طرف رجوع رہے خواہ جور و جفا سے خواہ لطف و عطا سے۔ آپ غور فرمائیں کہ مجھے اپنے اشغال سے کہاں فرصت جو میں اس بیہودہ خامہ فرسائی میں مبتلا ہوں۔ ہاں اگر آپ اطمینانِ خاطر چاہتے ہیں تو غریب خانہ پر تشریف لے آیئے اور کل اعتراضوں کا جواب سُن لیجئے۔ اور مجھے تو اسپر تعجب آتا ہے کہ آپ جیسا سخن فہم اور زمانہ شناس ایسے پوچ و لچر اعتراضوں کا جواب لکھنے کے لیئے اسقدر کیوں کد کرتا ہے؟ حالانکہ منشی پیارے لال آروق نے مجھ سے خود کہا تھا کہ انور صاحب نے اعتراضات دیکھکر کہا کہ کل اعتراضات مہمل ہیں۔ ہاں میں اب سمجھا آپ تو جملہ اعتراضات کو مہمل جانتے ہیں مگر معترض کی تسکین خاطر چاہتے ہیں۔ مہربان یہ امر میرے اور آپکے بس کا نہیں ہے۔ اپنا دل کسی کے دل میں نہیں ڈالا جا سکتا یہ جو کچھ معرض تحریر میں آرہا ہے اِس سب کا جواب لا نسلّم ہو سکتا ہے۔ فرمایئے! معترض اگر یہ فرمائیں تو پھر آپ کیا کر سکتے ہیں؟ ✤

احمد سعید طالب عفی عنہ۔ از گلی قاسم جان دہلی۔ ۲۹ فروری سنہ ۱۹۱۰ء

جواب الجواب

کیا لطف جو غیر پردہ کھولے
جادو وہ جو سر پہ چڑھکے بولے

پنڈت برجموہن صاحب دتاتریہ کیفیؔ دہلوی نے نومبر ۰۹ء کے "کمال دہلی" میں جو اعتراض میرے ناچیز مضمون "زبان دہلی" پر کیا ہے اُس کا جواب میں خود دینے کی بجاے جناب کیفیؔ ہی کی زبان سے دیتا ہوں۔ وہ خود بنظر انصاف دیکھیں اور ناظرین کمال بھی۔

خیر مقدم گرامی میں جو منظوم ایڈریس جناب کیفیؔ نے پڑھا ہے اُسکے یہ چار شعر میرے جواب کے لیئے کافی ہیں۔ ملاحظہ ہوں ؎

وہ فضائل اب کہاں ہیں ہند کی تہذیب میں | جن پہ شرق و غرب کی اقوام قربان ہوگئیں
اب رہے باقی ادیب اگلے۔ نہ وہ علم ادب | سب پرانی شکلیں زیب طاقِ نسیاں ہوگئیں
ہے نواسنج آجکل سُن لو گرامی کو کہ پھر | نغمۂ بلبل سے خالی بوستاں ہو جائے گا
کہتے ہیں اک تازہ لٹریچر بنا ہونیکو ہے | دیکھتے ہیں ہم کہ یہ فن ہی فنا ہونیکو ہے

اگرچہ اپنی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ وجہ تسلی نہ ہوئے ہوں تو غیروں کی زبان سے (جو میرے طرفدار ہیں نہ آپکے بلکہ خدا لگتی کہتے ہیں) میرے خیالات کی تائید میں شہادت سُن لیجئے۔ اکتوبر ۰۹ء کے "فصیح الملک" میں میرے شفیق مکرم دوست حضرت احسن مارہروی نے حضرت جلال نوراللہ مرقدہٗ کی وفات حسرت آیات پر دو تاریخیں لکھی ہیں۔ اُن میں سے ایک کو میں اپنے خیالات کا بعینہ عکس سمجھکر شامل شہادت کرتا ہوں ؎

افسوس کیوں نہ کیجئے دنیا کے کال پر | خالی وہ ہوتی جاتی ہے اہل کمال سے
پیدایشِ بشر میں کمی گو نہیں۔ مگر | عالم ہے ہو کا علم کے قحط الرجال سے
ہیں جسقدر علوم و فنونِ قدیم ہائے | سب مٹتے جاتے ہیں وہ نئی چال ڈھال سے
ہے یوں تو بالعموم ہر اک علم میں کمی | نقصان شاعری کا سوا ہے زوال سے
شاعر اگرچہ اب بھی ہیں سو میں نچانوے | بے بہرہ لیکن ان میں ہیں اکثر کمال سے

سوداؔ و میرؔ و ذوقؔ کا کیا ذکر کیجئے / اُن کا تو عہد محو ہوا ہے خیال سے
کل تک امیرؔ و داغؔ جو تھے ہم میں میہماں / اُنکو بھی دیکھتے نہیں اب چند سال سے
باقی رہا تھا ایک دم حضرت جلال کا / وہ بھی بچا رہا نہ اجل تیرے جال سے
مدت ہوئی کہ داغؔ نے کی تھی یہ آرزو / ملتے امیر احمد و سید جلال سے
وہ آرزو بر آئی پس مرگ یوں کہ اب / تینوں وہ مطمئن ہیں غم انفصال سے
اے موت! اب ہمیں بھی کوئی راہ تو بتا / کب تک ملیں گے داغؔ و امیرؔ و جلال سے
افسوس شاعری کا بہت غیر حال ہے / اللہ رے جواب وہ بچے ایسے حال سے
تاریخ انتقال کہوں احسنؔ اور کیا / بکس سخن ہے مُر دو وصال جلال سے

دسمبر ۹ء کے "زمانہ" میں ایڈیٹر صاحب زمانہ نے "کمال دہلی" پر ریویو کرتے ہوئے یہ فقرہ ابتدا ہی میں لکھا ہے کہ "دہلی کی شاعری کے قالب نیم جان میں جان ڈالنے کی نیت سے نکالا گیا ہے" جو میری ناچیز تحریر کا زبردست مؤید ہے۔ میں یہیں تک لکھنے پایا تھا کہ ۱۴ فروری ۱۹۱۰ء کا آگرہ اخبار مجھے ملا۔ قلم کو ہاتھ سے رکھکر میں نے اسے کھولا اور پڑھنے لگا پڑھتے پڑھتے حضرت عیش کی غزل پر میری نظر جم گئی اور میں تائید غیبی سے پھولا نہ سمایا کہ اس غزل میں بھی ایک نہیں دو نہیں پورے سات شعر میرے مختصر مضمون کی تائید میں نکل آئے جن کو میں بصد شکر یہاں نقل کرتا ہوں۔

کیوں نہ مردہ ہو بغیر اسکے زبان دہلی / شعر گوئی تو ہے کیا داغ تھا جان دہلی
داغ کے دم سے تھا جو کچھ کہ تھا دلی کا عروج / شان واللہ رہا کیا رہے شان دہلی
تھا جو اک داغ سخنور تو سدھارا وہ بھی / ہائے اب کس سے چلے نام و نشان دہلی
رونا آجائے نہ کیوں دیکھ کے گلاووں کو / جو بہار اب ہے یہی تو ہے خزان دہلی
یہی دتی تھی جو دتی تھی زبان زد سب کی / یہی دہلی ہے نہیں جسپہ گمان دہلی
کون اب نوحہ کرے کون سنائے ماتم / مر گئے وہ بھی جو تھے مرثیہ خوان دہلی
ہائے یہ قصہ غم ہائے یہ افسانہ درد / رونا آتا ہے مجھے سن کے بیان دہلی

مقتدر ناظرین! ان حق بجانب اور مبنی بر واقعیت اشعار کے ساتھ میرے مضمون کے

(ابرا

ہیڈنگ کا شعر (جو کل مضمون کا آئینہ ہے) بھی پڑھیئے اور انصاف کیجئے کہ جناب کیفی کے اعتراضات کس درجہ وقیع اور وزندار ہیں۔ عنوان کا شعر اگر آپ کو یاد نہ رہا ہو تو میں بغرضِ "قولِ فیصل" پڑھے دیتا ہوں۔ ہائے سُنئے اور دل پکڑ کر سُنئے

کیا کروں اپنی زباں سے ہیں بیانِ دہلی مٹ چکی روحِ رواں تھی جو زبانِ دہلی

راقم سید۔ دلگیر۔ اکبرآبادی۔

مشرقی سوماٹرا کی بت پرست قومیں

(گذشتہ سے پیوستہ)

اِن دونوں قوموں کی شباہت ملکا کی قوم سیمنگ سے ملتی جلتی ہے لیکن بال صرف سر کے پچھلے حصہ پر اُسکی صورت کے ہوتے ہیں حالانکہ پیشانی کے بال بالکل بکھرے ہوئے جس سے پایا جاتا ہے کہ یہ دونوں قومیں "نگریٹو اکٹ" کی آمیزش سے پیدا ہوئی ہیں اور یہ آمیزش موجودہ زمانے تک بالکل پوشیدہ تھی۔ لیکن اب اِسکی نسبت کوئی شبہ نہیں ہوسکتا۔ چندہی ماہ ہوئے ہیں کہ سیاک میں قوم اکٹ کی بستیوں کو دیکھنے سے اور بارہ کس کے حالات دریافت کئے گئے ہیں اِن میں سے تین آدمیوں کے سر کے بال قوم جیکن کی طرح صاف اور ملائم تھے لیکن ایک کے بال کٹے ہوئے تھے جسکی وجہ سے اُسکی پیمایش نہو سکی اور سات آدمی ایسے تھے جن کے قد بہت پست اور سر کے بال بکھرے ہوئے قوم "پینسہ اکٹ" کی نسبت اِنکے سر کی پیمایش میں بڑا فرق تھا یعنی انکے سر کے حلقے ۸۳۰۲ انچہ سے ۸۴۰۸۔ انچہ تھا۔ قوم سیاک اکٹ کے ایک آدمی کے سر کے بال بالکل سیاہ بھی دیکھنے میں آئے ہیں جس کا جسم بھی بہت سیاہ تھا لیکن قد ۵۵۱ انچہ اور سر کا حلقہ ۵۲۰۸۱۔ انچہ تھا +

افسوس ہو کہ اس ملک میں عورتوں کے ناپنے کی ممانعت ہے۔ ان ملکوں میں مغربی ممالک کی نسبت عورتیں اپنے ذاتی سلوکوں بسے مردوں کی زیادہ نگہبانی اور نماطر [illegible]

ہیں۔ یہ عام طور پر مسلّمہ امر ہے کہ جس شخص نے کسی مرد کو ناپ لیا ہو وہ پھر اُس پر پورا قبضہ رکھہ سکتا ہے۔

قوم اکٹ کے لوگ کاشتکاری کے زیادہ مشتاق نہیں بلکہ اس بات کو اچھا سمجھتے ہیں کہ ماہی گیری اور شکار سے اپنا پیٹ پالیں۔ انھیں عیش وعشرت کے لیئے صرف چند چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے یعنی کپڑا۔ کلہاڑی۔ چاقو۔ تمباکو اور پان۔ جسکے وہ بہت ہی مشتاق ہیں۔ یہ سب چیزیں وہ اپنے جنگلوں کی پیداوار یعنی بید۔ ربڑ اور موم وغیرہ کے تبادلہ میں حاصل کرتے ہیں اور تمام قسم کے جانور یعنی بندر۔ چمگادڑ چھپکلی اور فاختہ وغیرہ کھا لیتے ہیں۔ بندروں کے شکار کرنے میں وہ غلیلی کا استعمال کرتے ہیں اور دیگر جانوروں کو جو انکی خاص خوراک ہیں کمند سے پکڑتے ہیں۔ لیکن ماہی گیری میں کمال درجے کے ماہر ہوتے ہیں۔ یعنی طوبا کی جڑ سے پانی کو زہر دار کر دیتے ہیں جب یہ جڑ پانی میں گھلتی ہے تو تمام پانی پر دودھ کا سا سفید رس آ جاتا ہے جسکے اثر سے مچھلیاں بے ہوش ہوکر پانی کی سطح پر آ جاتی ہیں جہاں اُنکو تیر یا غلیلی سے پکڑ لیا جاتا ہے لیکن بعض اوقات ایک چھڑی کے ساتھ پھندا بھی استعمال کیا جاتا ہے اسکے علاوہ وہ چھوٹے چھوٹے دریاؤں میں نہایت تنگ اور وسطی فاصلہ چھوڑ کر اور وہاں جنگلے لگا کر ان جنگلوں کے عین وسط میں چبوترے بناتے ہیں اور وہاں مچھلیاں پکڑتے ہیں۔ عام طور پر وہ کئی قسم کے کانٹے بھی استعمال کرتے ہیں جو دیگر جزیروں میں بھی برتے جاتے ہیں لیکن عام طور پر اُن کا طریق شکار یہ ہے کہ دریا کو بید کے درختوں کے بونے سے بہت ہی تنگ کر دیا جاتا ہے جہاں مچھلیاں پھانس لی جاتی ہیں۔ یہ لوگ اُس وقت مچھلی کو کھاتے ہیں جب وہ نصف سے زیادہ سڑ جاتی ہے۔

یہ لوگ جس درخت کی کاشتکاری کرتے ہیں وہ صرف ایک بد وضع دانہ دار پھل والا درخت ہوتا ہے جسکو انکی زبان میں "ہیٹی اوگا" کہتے ہیں۔ لیکن اُس کو بھی وہ وقت پر نہیں بوتے نہ ہی اپنے بادشاہ کے تاکید ی حکم کے ہونے پر بھی چاول کی کاشت کرتے ہیں۔ اِن لوگوں کو مذہبی ضرورتیں بہت کم پڑتی ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ اب اِنکے خیالات کسیقدر جوشیلے

ہو گئے ہیں مگر یہ سب میلے والوں کا فیض ہے۔

اگر قوم اکٹ کے باجوں کی بابت پوچھا جائے تو صرف ڈھول، رباب۔ بین کار دیکھنے میں آتے ہیں۔ یہ رباب دیگر ملکوں میں بھی موجود ہیں مگر اس قوم کے رباب خاص قسم کے ہیں یعنی رباب کے ڈورے انناس کے پتوں کے بنے ہوئے ہوتے ہیں اور اس کا ڈھول جو نصف ناریل کے خول کا ہوتا ہے ایک مچھلی کے خاردار چمڑے سے منڈھا ہوتا ہے۔ قوم اکٹ کے باہمی میل ملاپ کی مجالس کا انعقاد غیر ضروری ہوتا ہے مگر ماتمی مجلسوں کو نظر انداز نہیں کیا جاتا۔

چونکہ سپنیہ کے قریب ربڑ کی کاشتکاری ہے اس لیے شاہ سیاک نے دریائے منڈا کو اس جگہ سے بالکل ہٹا دیا ہے تاہم موسم گرما میں دریا اسقدر ہو جاتا ہے کہ اس میں صرف ایک بڑے درخت کی ساختہ چھوٹی کشتیاں چلائی جائیں۔ اس طرح دریا تنگ ہوتا ہوا آخر کار جنگل میں معدوم ہو جاتا ہے۔

سوماٹرا کے لق و دق صحرا میں صرف ہاتھیوں کے نقش پا کے ذریعے آدمی چل پھر سکتا ہے۔ جس جگہ یہ نقش پا نہیں ہوتے وہاں راستہ کو کلہاڑیوں یا بڑی چھریوں سے کاٹا جاتا ہے اکثر یہ راستے گرے ہوئے درختوں کے نیچے آکر گھنٹوں تک معلوم نہیں ہوتے اس موقعہ پر وہ مزدور واقعی تحسین کے مستحق ہیں جو ان درختوں کے جلانے کا سامان اپنی پیٹھ یا سر پر اٹھا کر مسافر کو ان تنگ راستوں سے بآسانی لیجاتے ہیں جہاں بغیر انکے ناواقف آدمی ہر قدم پر ٹھوکر کھاتا ہے۔ سب سے زیادہ اس وقت دقت پیش آتی ہے جب سکائی کی بستیوں میں جانا ہوتا ہے۔

قوم سکائی کے لوگ اپنے گانو (کیمپونگ) کو سور، ہاتھی، شیر، اور دیگر جنگلی جانوروں سے بچانے کے سبب اپنی بستیوں کے ارد گرد بڑے بڑے درختوں کا ایک ترچھا احاطہ کر رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر ایم۔ موزوکووسکی تحریر کرتے ہیں کہ اس احاطے سے گزرتے وقت بلا کا سامنا ہوتا ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ جب ہم گاؤں میں داخل ہوئے تو تمام لوگ ہماری اجنبی صورت دیکھ کر وہاں سے بھاگ گئے صرف ایک دو بوڑھی عورتیں ہماری

پیشوائی کے لیئے وہاں رہ گئیں۔لیکن ہمارے ایک رہنما جو سیاک کا ساجنٹ میجر تھا
اور عام طور پر لوگوں میں نامور باوقار گنا جاتا تھا) کے بلانے پر سب واپس آگئے اُن میں
سے تقریبًا ایک سو تراسی آدمیوں کی پیمایش سے معلوم ہوا کہ اُن کے سر کا حلقہ ۷۰ سے
۸۳۔ انچ تک ہے اور دریائے منڈا کے بائیں کنارے کے باشندوں کے سر کا
حلقہ ۷۵۔ اور ۷۶۔ انچ کے درمیان تھا۔ اور موضع کیمپونگ پاہو کے باشندوں (جو
میلے والوں سے قریبی رشتہ داری رکھتے ہیں) کے سروں کے حلقے ۷۷ اور ۷۸
انچ کے درمیان پاسے گئے ہیں۔ اِن لوگوں کے سر کے بال پریشان لیکن اکثر بہت باریک
اور لمبے ناک چوڑی اور موٹی اور آنکھیں اندر کو جھکی ہوئی اور سیاہ مائل بھوری اور اکثر
نصف بند۔ دہن لمبا مگر ہونٹ پتلے اور ان کے دونوں طرف ترچھی لکیریں ہوتی ہیں
اوپر کا ہونٹ اکثر نیچے کے ہونٹ سے زیادہ پتلا ہوتا ہے تاہم بالعموم سب کا ایک ہی
حلیہ پایا جاتا ہے۔یعنی پیشانی لمبی اور قدرے پیچھے کو ہٹی ہوئی اور اسی طرح ٹھوڑی
لیکن زیادہ سخت۔ چہرہ چوڑا اور قدرے مربع شکل کا۔ ریش حسب دستور بالکل ندارد
ہوتی ہے۔ تین آدمیوں میں سے ایک آدمی ایسا بھی دیکھا گیا ہے جسکی ٹھوڑی کے نیچے
اور منہ کے کناروں پر صرف تھوڑے تھوڑے بال تھے۔

قوم سکائی کے آدمیوں کا قد ۱۵۶۔ اور ۱۵۷۔ انچ کے درمیان پایا گیا ہے اور
اِنکی نسبت عام کا خیال ہے کہ وہ قوم اورنگ اکٹ کے آدمیوں سے دراز قد کم ہوتے
ہیں لیکن اِس میں بھی بڑا فرق ہے اِن کا قد ۱۴۴۔ اور ۱۶۸۔ انچ کے درمیان ہوتا ہے
اور یہ اختلاف سکائی کی آٹھوں قوموں میں یکساں پایا جاتا ہے۔ البتہ قوم سکائی اور اکٹ
کے جسمی رنگ میں ضرور فرق ہے لیکن بالعموم میلے والوں کے جسمی رنگ سے زیادہ ہلکا
اور آواز بھی دھیمی اور خوشگوار ہوتی ہے۔

سیلون کی قوم ویدا کے آدمیوں کی صورت نہایت عجیب مستم کی ہوتی ہے اِس
قوم کی عورتوں میں مردوں کی نسبت پیشگوئی کا مادہ زیادہ پایا جاتا ہے۔ ہیگین اور
ہارٹن۔ قوم کیوبو۔ اور سنوئی کے پاؤں میں ایک خاص انوکھا پن ظاہر کرتے ہیں جو

قوم سکائی کے پاؤں میں بھی موجود ہے یعنی ان کے پاؤں ہموار پشت پا قدرے گہری اور خطوط بالکل سیدھے اور یہی پاؤں بڑے بھاری بوجھ کو برداشت کرتے ہیں۔ انگوٹھا دوسری انگلی سے زیادہ فاصلہ پر اور الگ ہوتا ہے باقی کی چاروں انگلیاں قدرے اندر کو جھکی ہوئی ہوتی ہیں۔

قوم سکائی کے لوگوں میں جسمانی امراض بہت پائے جاتے ہیں۔ یعنی خارش اور جوڑوں کے درد میں ۸۰ سے ۹۰ فیصدی تک ہمیشہ مبتلا رہتے ہیں پہلے وقتوں میں روکن کی سکائی قوم انکو اپنی اولاد نہیں سمجھتی تھی۔ جنکو یہ بیماریاں لاحق ہوتی ہوں۔ ان بیماریوں یا دیگر بیماریوں کے لیئے انکے پاس کوئی علاج نہیں۔ جب کوئی آدمی بیمار پڑتا ہے تو کسی جادوگر سے صرف افسوں کرا کے بیمار کو اسکی اپنی حالت پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ جس سے یا تو مریض صحتیاب ہو جاتا ہے یا مر جاتا ہے۔ ان جسمانی بیماریوں کے علاوہ وہ اپنی غلاظت کے سبب اور بیماریوں میں بھی مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اندرونی امراض میں سب سے زیادہ چیچک اور ملیریا اور سنگ ریزہ کی بیماری بہت پھیلتی ہے۔

قوم سکائی کے لوگوں کی عمر بھی بہت زیادہ نہیں ہوتی۔ یعنی کوئی شخص شاذ و نادر ہی ساٹھ برس سے زیادہ کا ہوتا ہے۔ جب کوئی مرتا ہے تو اسکو ایک دالان گہریا رکھا جاتا ہے۔ پھر اس کے رشتہ دار آتے ہیں اور ان میں سے بہت بوڑھے آدمی اپنے سروں سے خون نکالکر تھوڑا سا خون اس لاش پر چھڑکتے ہیں۔ تب اس کو ایک قبر میں ڈالکر اوپر سقف باندھ دیتے ہیں۔ موجودہ زمانے میں ان لوگوں کی قبروں کا اندرونی حصہ پہلے والوں کی قبروں کا سا بنایا جاتا ہے۔ یعنی ایک میٹا تختہ لاش پر ترچھا رکھکر ڈالا جاتا ہے۔ اس قوم میں یہ بھی رواج ہے کہ مردہ شخص کی عورت اور اسکے بچوں کو قبر کے پاس آگ جلاکر برابر تین دن وہاں بیٹھنا پڑتا ہے اگر کوئی بزرگ مر جائے تو اسی طرح سات دن تک بیٹھنا پڑتا ہے یہ لوگ مردہ شخص کی قبر پر سجاوٹ کے لیئے علم مساحت کی معمولی شکلیں لکھ دیتے ہیں۔ جن سے کوئی

خاص معنی ظاہر نہیں ہوتے۔ اور پھر قبر پر کسی برتن مین یا ویسے ہی کچھ نیاز پکا کر رکھدیتے ہیں۔ اس نیاز والے برتن کو ان کی زبان میں "ازم" کہتے ہیں۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ قوم سکائی کے لوگ مردہ عورت کی جائداد میں سے ½ حصہ اسکی قبر میں رکھدیتے ہیں چنانچہ ایک قبر کے کھودنے سے تین برتن کچھ چاقو اور چھریاں ایک ڈالر۔ تانبے کی انگوٹھیاں اور چوڑیاں اور ایک پاندان معہ سامان متعلقہ کے برآمد ہوا تھا۔ اِسکے مقابلہ میں مرد کی قبر میں صرف ایک چاقو اور تانبے کا ایک پیسہ رکھا جاتا ہے۔

شادی کے موقع پر کوئی رسم نہیں کیجاتی۔ پہلے وقتوں میں لڑکا اور لڑکی آپس میں خود ہی ہم بستری کر لیتے تھے اور جب لڑکے کے والدین کو خبر ہو جاتی تو صرف مٹھائی کا ایک تھال لڑکی والوں کے ہاں بھیجدیا جاتا جس سے شادی کی تکمیل سمجھی جاتی۔ اب یہ رسم ہے کہ لڑکی کی والدہ سے پہلے دریافت کیا جاتا ہے۔

قوم سکائی میں کثیر الازدواجی کا زیادہ رواج نہیں۔ البتہ عورتوں کو طلاق حاصل کرنے میں پوری آزادی ہے۔ جس سے ایک عورت اپنی زندگی میں آٹھ یا دس خاوند خود کر لیتی ہے۔ عورت کو ہر وقت اختیار ہے کہ جب چاہے اپنے خاوند کو گھر سے نکالدے مگر مکان نہیں نیچے اور گھر کا اسباب سب عورت کی ملکیت سمجھا جاتا ہے۔ مرد بھی عورت کو طلاق دیسکتا ہے۔ لیکن اگر اُسنے اپنی عورت کے لیئے کوئی مکان نہ بنوایا ہو تو پھر اُسکو وہ تمام اخراجات ادا کرنے پڑتے ہیں جو عورت والوں نے اُس وقت تک کیئے ہوں شادی کے بابین حسب دستور خاوند اور عورت آپس میں وفاداری کا دم بھرتے ہیں۔ تاہم معمولی وجوہات سے بدگمان ہو کر مرد کی طرف سے عورت کو مار پیٹ ہوتی رہتی ہے (باقی آیندہ) راقم سردار۔ امرتسری

(ابراہیم)

ایطار

جناب شاد میرٹھی نے جو ایطار خفی جلی کی اپنے قابل قدر مضمون میں تشریح کی ہے واقعی رسالہ ہذا کے ناظرین کی معلومات وسیع کرنے کے لئے ایک اچھا ذریعہ ہے لیکن چونکہ فی زمانہ اکثر اصحاب اس پر زیادہ توجہ نہیں فرماتے ہیں اور یہ عیب اب اُس نظر سے نہیں دیکھا جاتا جیسا بیشتر محسوس کیا جاتا تھا۔ کیونکہ اکثر رسالجات میں ایسے قوافی پائے جاتے ہیں۔ لہٰذا ہمنے بھی اُنکی پیروی کی۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر ایسے خفیف عیوب کی وجہ سے اشعار داخل رسالہ نہ کیئے جائیں تو بیچارے شاعروں کی دماغ سوزی کا صبر کس پر پڑیگا۔ ہاں البتہ اس مضمون کے دیکھ لینے سے اگر مبتدی شعرا اس سے اجتناب کرنے لگیں گے تو گلدستہ آپ ہی ایسے عیوب سے پاک ہو جائیگا۔ اور اگر پھر بھی شاذونادر کسی نے لکھ دیا تو وہ شعر داخل گلدستہ نہوگا لیکن بعض ایطا ایسے بھی ہیں جو نظرانداز کر دیئے جانے کے قابل ہیں اور وہی نظرانداز کئے گئے ہیں۔ ہمارے خیال میں اس قسم کی قیود سے شاعری کا دائرہ وسیع نہیں ہوسکتا۔ (ایڈیٹر)

رسالۂ فصیح الملک مارہرہ اور گلدستہ کمال دہلی اُن سربرآوردہ پرچوں میں شمار ہونے کا درجہ رکھتے ہیں جنکا اجرا محض زبان اُردو کی ترقی کے لیئے عالم ظہور میں آیا ہے چنانچہ ان ہر دو معزز صحیفوں کے ایڈیٹر بھی حضرت احسن مارہروی اور جناب رونق صاحب و شیدا صاحب دہلوی جیسے قابل بزرگوار ہیں تاہم دسمبر کے شیوع دیکھنے سے مجھے اس امر کا اندازہ بخوبی لگ گیا ہے کہ یا تو یہ اصحاب اندراج غزلیات کیوقت محض تغافل سے کام لیتے ہیں۔ اور یا یہ بات ہے کہ شعراء کے کلام موصولہ کو ملاحظہ ہی نہیں فرماتے بلکہ بجنسہ کاتب کے حوالے کر دیتے ہیں ورنہ یہ ناممکن ہے کہ غلط اشعار اشاعت پذیر ہوسکیں فصیح الملک کے حصہ نظم میں سب سے اول جناب مولوی حامد علیخاں صاحب حامد بیرسٹرایٹ لا لکھنؤ کی ایک غزل درج ہے جسکے قوافی سنور جانا۔ بکھر جانا۔ ڈوبجانا۔ اُتر جانا۔ وغیرہ ہیں مگر مطلع ملاحظہ ہوسے تلاش رزق کی خاطر اِدھر جانا اُدھر جانا ✤ مقدر میں جو لکھا ہے وہی پانا جدھر جانا ✤ مندرجہ بالا قوافی کی غزل کے مطلع میں "جدھر" "اُدھر" کے قافیے ضم کرنا

ایک ایسی فاش غلطی ہے جس کا مولٰنا صاحب جیسے لائق شخص کی ذات والاصفات سے سرزد ہونا (گو وہ لکھنوی ہی سہی) سراسر خلاف اُمید ہے۔ اسیطرح رسالۂ کمال میں اس مرتبہ بعض اشعار اسی عیب سے بھرے ہوئے نظر آتے ہیں مصرعِ طرح یہ تھا "رشکِ خورشید ہے سایہ تری دیواروں کا"۔ حسب ذیل اشعار خاص طور سے ملاحظہ طلب ہیں۔

جہاں دیکھو وہاں مجمع ہے ستمگاروں کا (راز) کوئی پرساں نہیں کمبخت دل افگاروں کا

مشتری ایک زمانہ ہے طرح داروں کا (شوق) بھیڑ لوگوں کی ہے مجمع ہے خریداروں کا

شہرہ بازار میں مُن سن کے طرح داروں کا (مجرم) حوصلہ اور بڑھا اُن کے خریداروں کا

دلبروں میں عجب انداز ہے عیاروں کا (طالب) آنکھ جب چوک گئی مال ہوا یاروں کا

کمال[1] اور "فصیح الملک" میں ایسا کلام دیکھکر اُردو کے بہی خواہوں اور قواعد فن سخن کے پیروکاروں کو جسقدر تعجب و افسوس محسوس ہو وہ کم ہے بالخصوص آخر الذکر دو مطلع اور بھی رنج کے قابل ہیں۔ کیونکہ ان میں سے ایک تو ہمارے قدیمی عنایت فرما اور قابل مکرم جناب نوح صاحب دہلوی فخر تلامذہ و یادگار حضرت میر راسخ مرحوم کے شاگرد حضرت مجرم کی تصنیف سے ہے جو ایک لائق و فاضل شخص کے شاگرد ہونے کے علاوہ خود دہلوی بھی ہیں مگر افسوس ہے کہ وہ بے اصلاحی غزل طبع کرا کر دہلی اور استادوں کے کمال پر بٹہ لگانا چاہتے ہیں۔ "چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی"۔ دوسرا مطلع منشی دنانک پرشاد صاحب طالب بنارسی کی قلم سے نکلا ہے۔ طالب صاحب صرف ایک پرانے (یعنی سب سے آخری) ڈراماٹسٹ ہی نہیں بلکہ شاعر (نیچرل اور عاشقانہ دونوں مذاق کا کلام لکھنے والے) بھی ہیں۔ ہم پندرہ سولہ سال سے انکا کلام بلاغت نظام اکثر صحائف میں دیکھتے ہیں۔ کسقدر حیرت کا مقام ہے کہ ایک ایسا کہنہ مشق شاعر بھی جو فصیح الملک داغ دہلوی کا نام لیوا ہو عیوب شاعرانہ کو نظر انداز کرے۔ یہ عیب جو ان پانچوں مطلعوں میں ایطاء کہلاتا ہے جس پر میری خواہش ہے کہ ایک مختصر سی بحث اسوقت پر کروں (۱) ایطاء کے لغوی معنی کسی ایک شے کو ابھارنا اور دوسری کو پامال کرنا ہے فارسی میں اسے شائگان (یعنی بیگار) کہتے ہیں اسکی کئی قسمیں ہیں جنکا فرداً فرداً تذکرہ کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے (۲) ایطاء صرف مطلع میں ہوتا ہے اور قافیہ کے اعادہ کرنے یا مکرر لانے کو کہتے

[1] معلوم ہوتا ہے جناب آرزو صاحب نے غور نہیں فرمایا ورنہ ایسی فروگزاشت ممکن نہ تھی۔

(ابراہیم پریس … مارچ

ہیں ایطائے خفی کا مطلب یہ ہے کہ تکرار قوافی ظاہر نہ ہو مثال کے طور پر صاحبزادہ شبیر رامپوری مد ظلہٗ کا مطلع پیش کیا جاتا ہے ؎ آئے مزا کسی پہ تمھارا جو آئے دل ✤ میری طرح سے تم بھی کرو ہائے ہائے دل اگرچہ ہائے ہائے تمہیں بھی آئے" مع جو ہے مگر وہ ہائے ہو ز سے ایسا مخلوط و مشترک ہو گیا ہے کہ قطعی معلوم نہیں ہوتا چنانچہ یہ تکرار جائز تسلیم کی گئی ہے آب اور گلاب اور خریداروں اور آروں وغیرہ قوافی بھی اسی ذیل میں ہیں (۳) ایطائے جلی یعنی ظاہر کا منشا یہ ہے کہ روی کسی ایسے حرف کو کریں جو ہو نہ سکتا ہو مثلاً علامت مصدر یا مضارع کو روی بنائیں جسطرح جانا اور کہنا یا آئے اور سوئے وغیرہ (۴) ایک ہی قافیہ دونوں مصرعوں میں آئے تو وہ ایطائے جلی اور نا جائز ہے اِلّا اگر وہ لفظ دونوں جگہ مختلف معنی رکھتا ہو تو جائز بلکہ داخل صنعت ہے مثلاً ؎ رخ روشن تمھارا کوئی کیونکر دیکھ سکتا ہے ✤ اگر خورشید حیراں ہے تو آئینہ کو سکتا ہے ✤ اس غزل کا قافیہ سکتا، تکتا، بھٹکتا، سرکتا ہے مگر مطلع میں ایک ہی لفظ دونوں جگہ لایا گیا ہے چونکہ مختلف معنی رکھتا ہے اس لیے صحیح بلکہ صنعت ہے (۵) تکرار قافیہ معمول۔ اسکی دو اقسام ہیں ایک ترکیبی اور دوسری تحلیلی۔ ترکیبی وہ ہے کہ قافیہ ثانی دو الفاظ سے مرکب ہو ؎ لا اعلم رنج پہنچاتی ہے فرقت میں کلائی مجکو ✤ آجکل کیا نہیں مدت سے کل آئی مجکو ✤ (۶) تحلیلی اُسے کہتے ہیں کہ ایک لفظ کے دو ٹکڑے کرکے ایک کو داخل قافیہ اور دوسرے کو شامل ردیف کر دیں (شاد میرٹھی) بعد مردن مری رسوائی کا چرچا نہ ہوا ✤ رنج و غم ساتھ رہے دفن میں تنہا نہ ہوا ✤ چشم مشتاق کہاں اور سر سودا کیا ✤ واشد دل کے لیے یہ بھی اک افسانہ ہوا (۶) اگر قافیوں میں ایسے الفاظ ہوں جو صیغہ واحد سے جمع کئے گئے ہوں تو ہمیشہ اس امر کا خیال رکھنا چاہیئے کہ دونوں قافیہ ایک صنعت کے ہوں اگر ایک مرکب اور دوسرا مفرد ہوگا تو ایطا سمجھا جائیگا جس طرح کمال کے اسی نمبر میں مندرجہ ذیل مطلع ہے اخلاق سے بری ہے کتاب اعمال پہ طوماروں کا ✤ بوجھ سر پر لئے پھرتے ہیں گنہگاروں کا ✤ اس میں طومار مفرد اور گنہگار مرکب ہے (بدر اکبرآبادی) کون محشر میں طرف دار تھا بیچاروں کا ✤ پردہ رکھا تری رحمت نے گنہگاروں کا ✤ اس مطلع میں بھی ایطا ہے کیونکہ دونوں قافیوں کے صیغہ واحد میں (بیچارہ و گنہگار) مختلف شکلیں ہیں۔ ایکدفعہ کا ذکر ہے کہ میرے لائق دوست جناب اختر سہارنپوری نے ایک غزل "مسلمانوں کا۔ عریانوں کا" وغیرہ قوافی میں لکھکر بغرض اصلاح اپنے استاد راقم الدولہ مولانا ظہیر دہلوی کے پاس بھیجی تھی جب واپس آئی تو اُس میں ایک مطلع پر (جسمیں مسلمانوں

اور پر پیچانوں کے قوافی تھے) نوٹ درج تھا مکرمی اختر صاحب نے اُس خط کو مجھے بھی دکھایا تھا بخدا اُسے پڑھکر مجھے بڑی مسرت حاصل ہوئی کہ مولانا ممدوح اپنے شاگردوں کو کس قابلیت اور تفصیل و اجمال کے ساتھ اصلاح دیتے اور فن کے نکتے بتلاتے ہیں بلکہ مجھے اُس وقت اپنے والد مرحوم جناب جنگ بہادر کی یاد آگئی اور سخت غم ہوا کہ کاش وہ آج زندہ ہوتے اور میں اُن سے کچھ سیکھتا خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا آمدم بر سر مطلب ملنا ظہیر نے اس قسم کی ایطار کو بھی ناجائز قرار دیا ہے لیکن دیگر اُساتذہ سلف و حال نے جائز مانا ہے کیونکہ یہ قسم خفی ہے نہ جلی (۹) ایطا کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ اگر قوافی کے حروف روی اُڑا دیئے جائیں تو یہ دیکھنا چاہیئے کہ الفاظ کے باقی ٹکڑے بے معنی ہیں یا بامعنی اگر دونوں ایک صورت رکھتے ہوں یعنی دونوں بے معنی ہوں یا دونوں بامعنی تو ایطا ہے اور ایک بے معنی اور دوسرا بامعنی ہو تو صحیح ہے تاہم جملہ مستند اساتذہ متقدمین و متاخرین کا کلام دیکھنے سے اس امر کا پتہ اچھی طرح چلتا ہے کہ ایطائے معنوی کی زد سے کوئی بھی نہیں بچا صرف ایطائے صوری اور وہ بھی قسم جلی کو خود خاد[illegible] نظر رکھا ہے [illegible] کمال کو بھی اس پر توجہ مبذول کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ٭

تمت - شاد میرٹھی - از احمیر

قصیدہ

از جناب شیخ عنایت اللہ صاحب راز سکندرآبادی - در مدح عالیجناب کنور بدری کرشن صاحب فرخ وکیل دہلی و رئیس اعظم سکندرآباد

ہے باغ دہر میں لُطف سخن سے یہ تبدیل
کہ رشک تختۂ سوسن بنا ہے عرعر نیل

ہر ایک قطرۂ شبنم چمن میں ٹپکے ہے
دہانِ غنچہ سے شکر خدائے رب جلیل

بیاں کیا ہے کہ گلچیں جنہیں ہوگا
گلوں نے سر پہ فضیلت کی باندھا ہے مندیل

بگڑ گیا ہے نسیم سحر سے کیا کوئی گل
زبانِ بلبل تصویر پہ ہے قال و قیل

وہ عندلیب خوش الحان کے چہچے ہر دم
صبا کی چھیڑ وہ سرو سہی سے طول طویل

پسند خاطر عاشق ہزار جان سے ہو
حبیب کو ہو تامل اگر دم تشخیص
ہر ایک شخص کی ہے گفتگو فصیح و بلیغ
گلوئے شیشہ میں ہچکی نہ مے میں تلخی ہے
جو اچھی طرح سے لے بی کو پڑھ نہیں سکتا
سمجھ میں آیا نہ جب یہ معاملہ اپنی
بدل گئی ہے مذاق سخن سے لاعلمی
عجب نہیں کہ کنور جی کی گفتگو کا اثر
یہ سن کے میں نے بھی فی الفور لکھا مطلع
بہار شمع بزم کلام و رشک قتیل
سراپا صدق ہے ایسا تری صداقت پر
دہن ہو بند یہ تقریر کو تری سن کر
ورع الفت میں گر کوئی عاشق
پئے ثبوت کچھ اشعار راز پیش کرے
ہر ایک مصرع کے معنی بیاں کرے لاکھوں
سزائے جرم سے زائد سزا ملے نہ اسے
کہ دولت اسکی جو سن پائیں ہوشان جہاں
کتاب معنی قانون حافظہ میں ترے
ترا دماغ ہے علم و خرد کا گنجینہ
جگہ بیاض جہاں میں ملے نہ لکھنے کو
بزرگوں میں تو اگر خضر کا ہو ہمسر پہلو
لکھوں قلم سے میں کیونکر تری صفات نکو
دعا پہ ختم کرے اب راز تو مقتضا ہے کو

شب وصال سنے گر صدائے مرغ اصیل
لپک کے بولنے لگتی ہے آپ نبض علیل
نہیں گنوار کے لب پر بھی کوئی حرف ثقیل
لگائی قند سخن سے ہی شاعروں نے سبیل
خدا کی شان وہ بی اے سے کر رہا ہو دلیل
تو کی ہمارے یہ فکر رسا نے پیش دلیل
زباں کی قدرت گویائی ہوتی ہے تسہیل
کرے بحث جو گونگوں کے منہ سے طول طویل
کہ جس کو مخزن معنی سے کیجیے تاویل
رئیس اعظم و والا گہر فروغ دسیل
اٹھائے شیخ جو مصحف تو پارہ ہی انجیل
نہ صور پھونک سکے روز حشر اسرافیل
گزارے دعوی ظلم و جفا ہی چرخ بخیل
اور اس مقدمہ میں تو ہو مدعی کا وکیل
ہر ایک معنی کی تو سو طرح سے دے تمثیل
نظر میں خلق خدا کی ہو اس طرح کا ذلیل
تو حکم عاشق جاں باز کی کریں تعمیل
ہیں اس طرح سے کہ جوں روشنی تہ قندیل
ترا خیال ہے علم و عمل کی اک زنبیل
اگر تو معنی موہوم کی کرے تفصیل
تو نوجوانوں میں تو ایک ہے جوان شکیل
نہ مجکو علم ہے اتنا نہ میں ہوں ایسا عقیل
کہ یہ تو رحمت پروردگار کی ہے دلیل

رکھے خدا اُسے دو عالم ہمیشہ شاد مجھے ۔۔۔ ترا عدو رہے ناشاد و روسیاہ و ذلیل

محروم جناب منشی تلوک چند صاحب از ڈیرہ اسمٰعیل خاں

مُرغِ دل پھانسنے کو زلف کا جال اچھا ہے ۔۔۔ حیلہ بازی کے لیئے دانہ خال اچھا ہے
دل کے طالب نظر آتے ہیں حسیں ہر جانب ۔۔۔ اِسکے لاکھوں ہیں خریدار کہ مال اچھا ہے
بوالہوس الفتِ خوباں کے مزے لوٹیگے دیکھ ۔۔۔ غمِ دنیا سے محبت کا مآل اچھا ہے
تابِ نظارہ نہیں گو مجھے خود بھی لیکن ۔۔۔ رشک کہتا ہے کہ ایسا ہی جمال اچھا ہے
دل ہیں کہتے ہیں کہ اے کاش نہ آئے ہوتے ۔۔۔ اُن کے آنے سے جو بیمار کا حال اچھا ہے
مطمئن بیٹھ نہ اے راہ روِ راہِ عروج ۔۔۔ نیر ار ہبر ہے اگر خوفِ زوال اچھا ہے
اس سے محروم بڑھی رونقِ میدانِ سخن ۔۔۔ نظمِ اُردو کے رسالوں میں کمال اچھا ہے

عالیجناب نواب سعید الدین احمد خاں صاحب طالبؔ رئیس دہلی جاگیردار لوہارو

پھنسا نہیں دلِ صد پارہ زلفِ پر خم میں ۔۔۔ کہ لعل جڑ دیئے الفت نے تیرے پرچم میں
ہے تجکو نخوت و پندار کیونکہ عالم میں ۔۔۔ کہ زندگی کو تغیر ہے موت کے دم میں
جو حال اِس دلِ بیخود میں ہم نے دیکھا ہے ۔۔۔ کسیکو کب نظر آیا وہ ساغرِ جم میں
اثر ہے چاہِ زنخداں میں یار کی جیسا ۔۔۔ نہیں وہ چشمۂ حیوان و چاہِ زمزم میں
شبِ وصال میں شوخی نہیں نہیں ہاں ہاں ۔۔۔ مجھے تو خاص مزا ہے مذاقِ باہم میں
الٰہی موت کو میری نہ موت کیوں آئے ۔۔۔ کہ سوگوار وہ بیٹھے ہیں بزمِ ماتم میں
اُٹھائیں بارِ محبت جو اس ستمگر کا ۔۔۔ نہ تاب سام میں اتنی نہ زورِ رستم میں
تجھے ہے چند گہر پر یہ ناز اے نیساں ۔۔۔ ہزاروں لعل و گہر یاں ہیں چشمِ پرنم میں
گزر گیا ترا دیوانہ کیا بیاباں سے ۔۔۔ کہ آہوں کو تکلف ہے جست میں رم میں
ہمیں ہے فکرِ وفا اور ہے جفا تم کو ۔۔۔ یہی تو فرق ہے تھوڑا سا آپ میں ہم میں
رضائے دوست کے جویا کو سب برابر ہیں ۔۔۔ نہ کچھ ہے بیش میں بیشی نہ کچھ کمی کم میں
سکون پاتا ہے سوزش سے کچھ دلِ زخمی ۔۔۔ ملا دو شور بھی تھوڑا سا آج مرہم میں
مزاج حضرتِ طالبؔ کا بھی نرالا ہے ۔۔۔ خوشی میں رہ کے بھی ہیں مغموم اور خوش غم میں

کمال دہلی

مصرع طرح

یہاں دل کی ضرورت ہے یہ باتیں ہیں حقیقت کی

اخلاق۔ جناب سید اخلاق حسین صاحب دہلوی

یہ بالکل سچ ہے دنیا چاہتیں ہیں عیش و عشرت کی
یہ عبرت کا مرقع ہے یہ ہے تصویر حیرت کی

لکھوں تفصیل کیا ای ہمدمو شبہای فرقت کی
درازی میں نمونہ تھی ہر اک روز قیامت کی

نہ پروا مجکو دولت کی نہ خواہش کچھ امارت کی
مگر یا رب رہے مجھ پر نظر تیری عنایت کی

عبث شکوہ ہے میرے آہ و نالہ کا تجھے مجھ سے
ترے جور و ستم کی میں نے بھی تجھ سے شکایت کی

اسیر لطمۂ گرداب عصیاں ہوں مگر یا رب
امیدیں دل میں رکھتا ہوں ترے فضل و رحمت کی

گنہگاروں کا بیڑا پار کرنا بات ہی کیا ہے
ادھر بھی موج آجائے کوئی دریائے رحمت کی

انھیں شکوہ کہ رسوا کر دیا مجکو زمانے میں
مجھے دعوی کہ میں نے ہی جہاں میں انکی شہرت کی

لڑکپن کھیل میں کھویا جوانی عیش میں کاٹی
بڑھاپے میں ہوئی ہے فکر مرنے کی قیامت کی

بشر کو چاہیے شاکر رہے اپنے مقدر پر
خدا کا شکوہ کرنا ہے شکایت کرنی قسمت کی

نہ پھیلایا کسی کے سامنے تیرے سوا دامن
ترے در سے ہمیں جو کچھ ملا اسپر قناعت کی

جہاں سے سچ تو یہ ہے عاشقوں کا کھوج کھو دیگا
اگر چرخ ستمگر نے یونہی کچھ دن عنایت کی

مرا دل پیکے تلوؤں سے مسل ڈالا ستمگر نے
ہوئی مٹی خراب آخر مرے ارمان حسرت کی

رضائے حق پہ راضی ہوں ہر اک حالت میں شاکر ہوں
نہ غم مجکو کسی غم کا نہ شادی ہے مسرت کی

ہمیشہ اپنے کمبل کو سوا سمجھا دوشالے سے
فقیری میں بھی اے آخلاق ہیں بے بادشاہت کی

آشک ۔ جناب شیخ عبد العلی صاحب سہسوانی

بہت دشوار غواصی ہے دریائے حقیقت کی
ہوئی موجِ فنا سے آشنائی بحرِ وحدت کی

عجب شوخی نگاہِ ناز میں ہے سروقامت کی
چمن میں آرزو ہے نرگسِ شہلا کو رویت کی

جناب آپ سا نظر آئیں نہ کیوں شمس و قمر دونوں
کہ ساتوں آسماں موجیں ہیں دریائے حقیقت کی

خرامِ ناز پر نیچی نظر سے اور تڑپایا
نئی شوخی تمھاری ہر ادا میں ہے قیامت کی

تصور سے کھنچا نقشہ مرے آئینۂ دل میں
کیا کرتا ہوں گھر بیٹھے زیارت اُنکی صورت کی

بہت مشکل ہے بندیکو خدا کے بھید کا پانا
یہاں دلکی ضرورت ہے یہ باتیں ہیں حقیقت کی

جو دیکھا حسن آئینہ میں اپنا اُس پری وش نے
سراپا محو ہو کر بن گیا تصویر حیرت کی

حسینو! پردۂ عفت میں چھپکر تمکو رہنا تھا
یہ مُنہ اور غیر دیکھیں کسقدر ہے بات غیرت کی

آدی ۔ جناب محمد عوض صاحب بلند شہری تلمیذ جناب صوفی

شبِ غم تارے گن گن کر بسر ہوتی ہے اے ہمدم
نہیں کاٹے سے کٹتی ہے جدائی اب رات فرقت کی

دکھا دے جلوۂ نورِ محمد خواب میں یا رب
لگی رہتی ہے ہر دم میرے دلکو یاد حضرت کی

کریں ہم کیوں نہ آدی سجدۂ شکرِ خدا ہر دم
کہ اُمت میں کیا پیدا ہمیں ختمِ رسالت کی

اختر ۔ جناب لالہ کشن چند صاحب دہلوی سابق نائب تحصیلدار راٹھ

چراغِ داغِ دل لیکر بہت ڈھونڈا زمانے میں
نظر آئی جھلک ہمکو نہ ہرگز تیری صورت کی

نگاہِ ناز نے عالم کو دیوانہ بنایا ہے
خرامِ نازِ مستانہ نے برپا اک قیامت کی

گرا کر اپنی نظروں سے ملایا خاک میں تم نے
وفا کا کیا یہی شیوہ ہے اُلفت میں عداوت کی

تڑپ کر ہجرِ جاناں میں گزارو زندگی اختر
کہ تا معلوم ہو جائے حقیقت سوزِ اُلفت کی

ازل ۔ جناب محمد عبد المجید صاحب تلمیذ حضرت داغ دہلوی

نہ ارماں کوئی بر آیا ۔ نہ کوئی آرزو نکلی
یہ میں ہوں بزمِ عالم میں کہ اک تصویر حسرت کی

رضا جوئی تری یا رب ہے مقصد زندگانی کا
وہ دوزخ میں جلے جسکو ہو خواہش باغِ جنت کی

اگر ہو کاروبارِ دہر میں تکیہ توکل پر
تو شکوہ چرخ سے کیوں ہو شکایت کیوں ہو قسمت کی

ہوا ہوں بیخبر ایسا سکو پی کر دونوں عالم سے
بچا رکھی تھی ساقی نے یہ کیسی میری نیت کی

یقیں ہے خود بخود ہی کھنچ کے وہ آ جائینگے ہم تک
ہمارے جذبۂ دل نے اگر کچھ اور ہمت کی

کسی پردہ نشیں کے عشق کا وہ راز ہے دلمیں
کہ اپنے آپ سے بھی ہے ضرورت مجکو خلوت کی

نہ تھی تاب نظارہ خود ہی سے ایکدم بھی وقت نظارہ
عبث اُس شوخ سے ہمنے نہ ملنے کی شکایت کی

الٰہی مجکو دینا ہے تو دردِ عشق دے اپنا
نہ حاجت مالکی کچھ ہے نہ خواہش مجکو دولت کی

شکستِ ساز ہستی ہے سنورنا میری قسمت کا
جو دم دنیا میں گزرا ہے گھڑی ہے اک قیامت کی

ہے آٹھوں پہر گردش میں ہم قسمت کے ہاتھوں سے
میسر آئی عالم میں نہ اک ساعت بھی راحت کی

وفا کی آزمایش۔ امتحان اُلفت کا لینا ہے
الٰہی اور بڑھ جائے گھڑی رنج و مصیبت کی

بہت اچھا ہے میری زندگی غفلت میں کٹ جائے
ادہر کچھ ہوش آتا ہے ادہر لیتا ہوں وحشت کی

نہ دیکھا عمر بھر ہمنے کبھی مُنہ تنگدستی کا
ملا جو کچھ ازل ہر حال میں اُسپر قناعت کی

آسد۔ جناب محمد علی صاحب دہلوی۔ تلمیذ جناب سائل دہلوی

بہت سی خاک چھانی مدتوں صحرائے غربت کی
جہاں کی سیر کی میں نے ای جنوں تیری بدولت کی

مری طاعت پہ زاہد معترض ہیں اُسکے تقوے پر
مجھے خواہش تو کچھ ہے تو اُسکو حور جنت کی

گئے ہیں زندوز اہد داورِ محشر کیخدمت میں
خدا ہے دیکھئے کس پر نظر پڑتی ہے رحمت کی

تمھارے ہاتھ سے مجھپر ہمیشہ ظلم ہوتے ہیں
تمھیں ایماں سے کہدو کبھی میں نے شکایت کی

جنابِ خضر بھی آئیں تو رستہ بھول جائینگے
گئی ہیں ایسی ایسی پیچ سے راہیں محبت کی

اِدہر رخسار پر گیسو بکھر کر آ گئے اُنکے
اُدہر سودا یانِ زلف نے لی خوب وحشت کی

حمایت کون لیگا حشر میں ہم بھی تو دیکھیں گے
ترے فریادیوں نے گر وہاں تیری شکایت کی

گلے شکوے نکر ای دل مجھے یہ خوف آتا ہے
کہ باتوں میں گزر جائے نہ ساری رات عشرت کی

عدو سے لڑکے آئی ہے مجھے معلوم ہوتا ہے
کچھ ایسی اُڑ کے بیٹھی ہے مرے گھر رات فرقت کی

سیہ بختی پہ میری بھپتیاں ہونے لگیں یعنی
کلو بس اس میں کہاں سے آ گئی ہے شام فرقت کی

کفن سے خاک چھن چھن کر مری میت پہ گرتی ہے
آسد جو فرش کی صورت ہے وہ صورت ہوئی میت کی

بشیر۔ جناب بشیر الرحمن صاحب دہلوی خلف مولوی امّو جان صاحب ولی

طفیل حسن کے تیرے زمانے میں ہوا شہرا
تو ہم نے دل تجھے دیکر جہاں میں اپنی شہرت کی

لگائیں ٹھوکریں صدہا جلانے کے بہانے سے
اُڑائی ہنسکر اُسنے خاک آخر میری تربت کی

مری قسمت ہو سیدھی کیسے جب دونوں ہیں ایکا
فلک نے ہر ستم میں اُس ستمگر کی اعانت کی

بدلتا ہے زمانہ رنگ لیکن میں تو جب جانوں
بدلدے وہ شب عشرت سے میری رات فرقت کی

جہاں میں کوئی ہمسا اور پُرحسرت بتاؤ تو
نہ آئی عمر بھر میں جسکی اک ساعت بھی عشرت کی

برقؔ - جناب بالو مہاراج بہادر صاحب دہلوی تلمیذ جناب آغا شاعر دہلوی

شباب آتے ہی شوخی نے حیا آنکھوں سے رخصت کی
اُمنگیں لے اُڑیں اُٹھتی جوانی کو طبیعت کی

بُرا ہو آہ کا اِسنے اڑائی خاک چاہت کی
نہیں تو کیوں ہوا میں سے نکلتی راز الفت کی

یہ کہکر اُسنے ٹھوکر سے برابر میری تربت کی
کہ اب مٹی ٹھکانے لگ گئی ناکام حسرت کی

چُھٹیں نبضیں۔ لبوں پر دم ہے۔ تیاری ہے رخصت کی
خبر لی تمنے اچھے وقت بیمار محبت کی

تمہاری آنکھ میں ہے ایک تو شوخی قیامت کی
سیہ پتلی پھر اُس پر اور پرکالہ ہے آفت کی

لگی رہتی ہے ہر دم ٹھوکروں سے فتنہ قامت کی
خرام ناز سے وہ گم ہوئی مستی قیامت کی

ہوئے ہم ضعف سے غش وار تو اوچھا تھا قاتل کا
ہماری سخت جانی نے ہوا باندھی نزاکت کی

نہ لینگے خفتگان خاک کروٹ کنج مرقد میں
یہ سونے والے لائینگے خبر صبح قیامت کی

زکاۃ حسن اک بوسہ ملے رخسار تاباں کا
ہمارے دل سے نکلینگی دعائیں بڑھتی دولت کی

تصدق ہوکے جلتی آگ میں گرتے ہیں پروانے
بڑی ہوتی ہے جلنے کو لگی سوز محبت کی

پس مُردن بھی مجھکو ضعف سے پستی میسر ہے
کہ اُٹھکر بیٹھ جاتی ہے زمیں پر گرد تربت کی

غم دنیا سے ہم چھوٹے پہنچکر کنج مرقد میں
نظر آئی ہے مر مر کر ہمیں تو شکل راحت کی

جو گرکر جل بجھا پروانہ دل سوختہ کوئی
تو پہروں نم رہیں اشکوں سے آنکھیں شمع تربت کی

[illegible] جب کبھی میں بادہ نوش پیتا ہوں
چھڑک دیتا ہوں پہلے خاک پر زاہد کی نیت کی

لڑادی جان شیریں کوہکن نے عشقبازی میں
مگر ناکامی تقدیر نے برباد محنت کی

چھپا رکھا تھا مجھکو نیستی نے برقؔ پردے میں
عدم سے لائی ہے ہستی میں گردش میری قسمت کی

بدرؔ - جناب شیخ بدر الدین صاحب اکبرآبادی تلمیذ جناب مرزا حاتم علی مہر اکبرآبادی

لیئے پھرتی ہی ہر سو مجکو گردش میری قسمت کی
زمین بھی کم نہیں ہی آسماں سے دشت غربت کی

بہارِ گل میں یہ کہتی ہی جولانی طبیعت کی
وطن کو چھوڑ غافل سیر کر صحرائے وحشت کی

مرا لاشہ لیئے ہمدم جو گزرے اُسکے کوچہ سے
ہوا آنے لگی راہِ عدم میں مجکو جنت کی

خدائی کر کے یہ نخلِ خودی کا اپنی پھل پایا
تمنا لے گئی شداد کو دوزخ میں جنت کی

فلک نے نام میٹا با وصر صر نے نشاں میٹا
اُڑا کر خاک تک برباد کر دی میری تربت کی

دمِ آخر ہے شاید آرہے ہیں نیند کے جھوکے
ہوئی جاتی ہیں آنکھیں بند بیمارِ محبت کی

کیا جب وصل کی شب شکوۂ فرقت تو فرمایا
کہانی عیش میں بھی یاد ہی تمکو مصیبت کی

خبر مرنے کی سُنکر بھی وہ گل آیا نہ پرسے کو
مرے پھولوں میں کیونکر بو نہ آئے داغِ حسرت کی

مجھے کیونکر نہ ہمدم دفن کرتے کوے جاناں میں
لکھا لایا تھا میں تقدیر میں جاگیر جنت کی

پسِ مردن ہماری بیکسی رہتی ہی مدفن پر
محافظ بن کے تربت کی مجاور بن کے تربت کی

ہلال آسا ہوئے ہو گئے غم میں بدر گھٹ گھٹکر
محبت ہی نہیں اے مہرباں کس ماہ طلعت کی

بیتاب۔ جناب سید محمد خیرات علی صاحب تلمیذ جناب رسا۔ از کالپی

نظر بھر کر کسی کو بھی اگر دیکھوں قسم لے لو
ترے آگے حقیقت ہی بھلا کیا حورِ جنت کی

بلانا ہر کسی کو بے تکلف چھوڑ دو گھر پر
یہ بدنامی کی صورت ہی نہیں باتیں شرافت کی

تسلیم۔ جناب منشی محمد امیر اللہ صاحب لکھنوی مدظلہ یادگار حضرت نسیم دہلوی

ملا دے خاک میں اُس سے دعا مانگوں جو رفعت کی
ہمیشہ سے سمجھ اُلٹی ہی چرخِ پست ہمت کی

وہی سرگشتگی ہی مر کے بھی ہمراہ قسمت کے
بگولا بن کے اُڑتی پھرتی ہی خاک اپنی تربت کی

یہاں سے گئے عدم سے دیکھئے اب ہم کہاں جائیں
ابھی تو ابتدا ہی انتہائے جوشِ وحشت کی

وہ بیکس تھا کہ بعد از مرگ بہرِ مغفرت ہمدم
بنی میرے لیئے دستِ دعا لو شمع تربت کی

برنگِ کشتۂ سیماب ہوں بیٹھکر بہر غم سے
نہ حسرت گور کی مجکو نہ پروا شمع تربت کی

کروں سو مرتبہ میں شکوۂ جورِ بتاں لیکن
سنے گا کون محشر میں حقیقت بیحقیقت کی

تو کیا اہلِ معانی کی خبر اے اہلِ فن جانے
کہ تجکو فکر ہے ہر دم فصاحت کی بلاغت کی

اگر پوچھے دمِ محشر زہے عزت زہی عظمت
وگرنہ کیا سبہ کاری مری کیا شان رحمت کی

بہت دشوار ہے ای دل پہنچنا اُسکی خلوت تک / کہ بام عرشِ اعظم پہلی منزل ہے حقیقت کی
سوائے فعلِ بد کوئی نکوکاری نہیں مجھ میں / کہوں کس منہ سے ای تسلیم ہوں امت میں حضرت کی

حمید جناب ابوالحمید صاحب میرٹھی - ایڈیٹر رسالہ الحمید میرٹھ

ہوئی رسوائی بازارِ جہاں میں حسنِ صورت کی / تماشائی بنیں نظریں نظر بازانِ الفت کی
قلق کی - رنج کی - حرماں کی غم کی - درد فرقت کی / محبت میں ہمیں راتیں ملیں کس کس مصیبت کی
نگاہیں مجھ سے پھیریں کسو دشمن چشم الفت کی / یہ کیا رسم وفا تو نے ادا او بے مروت کی
کہاں تصویر کھنچتی ہے تمھاری صاف صورت کی / بلائیں لے رہا ہے کلکِ مانی کلکِ قدرت کی
جو کوئے یار کا ہم نقشہ دل میں کھینچ لیں گے / ہوا کچھ اور ہی ہو جائیگی گلزارِ جنت کی
جنھیں سمجھا ہے قاتل بیل بوٹے اپنے دامن کے / وہ ہیں گلکاریاں خونِ شہیدانِ محبت کی
تمھارے در کے سجدے پھر میسر کب مجھے ہونگے / مٹالوں آج ہی گھسکر جبیں تحریر قسمت کی
چلی آتی ہے پیچھے پیچھے کیوں تھامے ہو دامن / قیامت کیا سہیلی بن گئی اُس فتنہ قامت کی
عدم تک لے ہی پہنچے گا یہ شوقِ دشت پیمائی / سلامت ہے اگر گردش ہمارے پائے وحشت کی
بُرا کہنے لگے کوسے بتاں کو کچھ خلل آیا / ہوا کھائیں کوئی دن شیخ صاحب باغِ جنت کی
جو پوچھا ہم نے اُن سے کیا سبب کیوں ستاتے ہو / تو بولے تم نہیں واقف یہ باتیں ہیں محبت کی
حمید آئینہ میں شاید کوئی جادو کا پُتلا تھا / وہ جسکو دیکھتے ہی بن گئے تصویر حیرت کی

حیراں - جناب محمد صادق صاحب دہلوی - تلمیذ جناب سائل دہلوی

ادھر اُٹھے وہ پہلو سے اُدھر عاشق نے رحلت کی / جُدائی کی گھڑی تھی یا گھڑی تھی اک قیامت کی
نکلتی آرزو کیا خاک مشتاقِ شہادت کی / نزاکت ہو گئی مانع اگر قاتل نے ہمت کی
نکالا گالیاں دیکر بھری محفل سے عاشق کو / تمھاری قدردانی دیکھ لی بس خوب عزت کی
سوالِ وصل پر یہ کیا خبر تھی ایسے بگڑینگے / کہ آب مقبول توبہ ہے نہ شنوائی ہے منت کی
زبانی ادعائے قتلِ عاشق کا یقین کیا ہو / کمر کیا کہہ رہی ہے کچھ خبر بھی ہے نزاکت کی
ہوئی ہے بزمِ جاناں تک رسائی ہو کے رسوائی / خوشامد کی رقیبوں کی نگہبانوں کی منت کی
نہ دن کو چین لینے دے نہ شب کو ماجرا کیا ہے / فلک نے سیکھ لیں چالیں مگر تیرے قیامت کی

قضا تو ہی خبر دے تا کجا تڑپا کروں آخر
خدا ہی جانتا ہے کب سحر ہو شام فرقت کی

علاج دردِ دل تجھ سے نہو گا چارہ گر ہٹ جا
خدا سے لو لگی ہے اب مریضانِ محبت کی

بنایا جائے گھر دنیا میں کس بنیاد پر آخر
صدائیں کان میں آتی ہیں ہم کوچ رحلت کی

تمہارے واسطے دنیا و دیں کے ہیں سفر حیران
بتوں سے دل لگی کی حق سے ہے امید رحمت کی

حالب ۔ جناب دیوان روشن لال صاحب دہلوی

ہماری محویت پر طعنہ زن ہوتا ہے کیوں واعظ
یہاں دل کی ضرورت ہے یہ باتیں ہیں حقیقت کی

ہوا چرچا زمانے میں ہماری شعر گوئی کا
نہ ہو بزم سخن میں دھوم کیوں حالب فصاحت کی

خلیق ۔ جناب عبد الخالق صاحب دہلوی تلمیذ جناب سائل صاحب دہلوی

بلا تقصیر مجھ سے آپنے میری شکایت کی
کبھی کچھ آپ سے چاہا۔ کبھی کچھ عرضِ حاجت کی

فضائے صحنِ میخانہ ہے یا ہے ارضِ جنت کی
یہاں آکر برستی ہیں گھٹائیں خاص رحمت کی

ریاکاری میں ساری عمر کر دی رائگاں اپنی
[illegible] ان پر جسنے جنت کی تمنا پر عبادت کی

نہ تھا اتنا کوئی جو آہ و نالے پر ترس کھاتا
فقط اِک بیکسی ہمدم تھی یا تھی شام غربت کی

خوشی سے جان دینے کے لئے موجود ہوں میں تو
جگہ ملجائے کوچہ میں ترے گر ایک تربت کی

تمہیں ہو آیہ رحمت تمہیں ہو شافع محشر
تمہارے ہاتھ ہے عزت گنہگارانِ امت کی

کبھی دلمیں جگہ دی ہے کبھی آنکھوں پہ رکھا ہے
تصور کی ترے جو ہو سکی ہمنے حفاظت کی

ہیں جسکو دیکھا دل ہو گیا اُس کا بس اے زاہد
نہ کر تعریف میرے سامنے حورانِ جنت کی

رقیب روسیہ پر روز ہوتے ہیں کرم لیکن
کسی دن بھول کر بھی آپنے مجھپر عنایت کی

تمہارے اعتمادِ عاشقی پر حرف آئے گا
خلیق ابکے اگر معشوق کی تمنے شکایت کی

ذاکر ۔ جناب شیخ برکت احمد صاحب دہلوی تلمیذ جناب شیدا

خدا کیواسطے اے بت سزا دے جو ہے قسمت کی
گنہگاروں میں شامل ہیں ترے ہمنے محبت کی

ملا ہے چاہ کا بدلہ یہی تم نے عداوت کی
رُلایا ہے جلایا ہے مجھے اچھی محبت کی

جدائی کے بھی دن ہیں کچھ ادائیں ہیں قیامت کی
نظر آنے لگے تارے تڑپ میں دردِ فرقت کی

اجی جاؤ بھی بس بیٹھے رہو اب منہ نہ کھلواؤ
ہمیں معلوم ہے کل گھر بلا کر جسکی دعوت کی

نہ دیجے خود۔ اگر ہم آپ لیلیں پھر نہ شرمانا
ذرا جھک جاؤ کچھ کہنا ہے باتیں ہیں ضرورت کی

انھیں پر جان دیتا ہوں انھیں پر میں تو مرتا ہوں
تری زلفوں میں آئی ہے سیاہی میری قسمت کی

ہمارے دل کے ٹکڑے کر دیئے غیروں کی الفت میں
کہو تو لاکھ ہیں کہدیں محبت میں عداوت کی

شب غم میں جھڑی مژگاں نے اشکوں کی لگادی ہے
گھٹا چھائی ہوئی و پھر ہے ہر سو یاس و حسرت کی

خبر بھی کچھ ہے کیا کہتی ہے دنیا رات دن تم کو
زمانہ بھر میں اب مشہور رسوائی ہے شہرت کی

خیال خام میں کیوں عمر کھوئی حضرت زاہد
اجی بس جاؤ بھی حوریں ملینگی تمکو جنت کی

گریباں کی شب فرقت خبر لی جوش وحشت نے
اڑے ہیں پرزے دامن کے جنوں نے خوب عنایت کی

سوال وصل پر میرے نہیں ہے انکے ہونٹوں پر
یہ حصہ ہو گیا میرا یہی ہے میری قسمت کی

ترا ذاکر دوں میں پہلا سفر ہے رات بھاری ہے
الٰہی بھیجدے مرقد میں کوئی حور جنت کی

رعنا۔ جناب بابو حب لال صاحب وکیل و آنریری مجسٹریٹ بھنڈ۔ گوالیار

مجھے جب یاد آتی ہے کسی پیاری سی صورت کی
تو اک تصویر پھر جاتی ہے آنکھوں میں حقیقت کی

نہ پوچھیں میرے ہمدم میری کیفیت مصیبت کی
شب غم کی گھڑی ایک ایک گزری ہے قیامت کی

بہت پچھتاتے ہیں کیوں فتنہ گر سے ہمنے چاہت کی
یہ کیا بیٹھے بٹھائے جان پر برپا مصیبت کی

الٰہی خیر کرنا آج پھر لی دل نے وحشت کی
نگاہ شوخ نے کسکی خدا جانے عنایت کی

میں کہہ سکتا نہیں پوچھو نہ مجھ سے میری کیفیت
تمھیں خود دیکھ لو اس عشق نے جو میری صورت کی

بہت جنت میں ہم گھومے بہت فردوس بھی چھانا
مگر کوئی نہ دیکھی حور تیرے حسن و صورت کی

ترا وہ دیکھ لینا شرمگیں چتونوں سے رہ رہ کر
مرے دلمیں تڑپ ہو ہو کے رہجانا قیامت کی

نگاہ ناز نے چپکے سے آکر دلمیں چٹکی لی
تمھاری آنکھ نے پھر دیکھ لو مجھ سے شرارت کی

دل آیا بھی تو کس عالم پہ اپنا ہائے دل آیا
محبت بھی جو کی تو کس ستمگر سے محبت کی

تری وہ بھولی صورت شرمگیں چتون بھی آفت تھی
اب آکر شوخیوں نے اور بھی برپا قیامت کی

ہنسے بولے بھی تو کیا خاک وہ مجھ سے ہنسے بولے
بتاتی ہیں نگاہیں گرد دلمیں ہے کدورت کی

کرم اسکا ستم سے بڑھ کے دشمن جان کا نکلا
مجھے رہ رہ کے تڑپاتی ہیں باتیں وہ محبت کی

نظر آئینہ رو پر پڑتے ہی وہ بیخودی چھائی
سراپا محو ہو کر بن گیا تصویر حیرت کی

نظر کے سامنے ہی اُس سنگدل کے منہ سے اُف نکلی
اثر جادو کا رکھتی ہیں نگاہیں میری حسرت کی

چھپایا تو بہت تھا عارضے نے راز محبت کو
نہیں چھپتی نہیں چھپتی نظر لیکن محبت کی

رنگ - جناب حاجی محمد وزیر خان صاحب حیدرآبادی تلمیذ حضرت ظہیر دہلوی

نہ حوروں کی تمنا ہے نہ خواہش قصر جنت کی
اگر کچھ ہے تو ہے حسرت مدینہ کی زیارت کی

یہ میں نے مرتبہ پایا زیارت کر کے حضرت کی
فرشتے خاک لیجاتے ہیں آ کر میری تربت کی

نہ گھبراؤ گنہگارو چلو میدان محشر میں
رسول اللہ کے قبضہ میں ہے دولت شفاعت کی

رحمت - منشی محمد رحمت اللہ صاحب تلمیذ شہری - شاگرد حضرت ناظر سکندرآبادی مدظلہ

نہ ہو کیوں دھوم ہر سو صانع قدرت کی صنعت کی
کہ لاکھوں صورتوں میں دو نہ دیکھیں ایک صورت کی

دکھا دے کوئے جاناں اے فلک بہر خدا مجکو
تمنا ہے کہ دنیا میں بھی کرلوں سیر جنت کی

تعجب ہے کہ میری اضطرابی پر تو طعنے ہیں
نہیں لیتے خبر وہ اپنی شوخی کی شرارت کی

بلائیں دردیں دکھ ہیں مصیبت میں جو آئی ہیں
رفاقت کی ہمارے ساتھ تو دل نے رفاقت کی

کیا بیتاب ہمکو اور بڑھکر غم کی راتوں نے
جو دی تشبیہ زلف یار سے تم نے شب فرقت کی

ہوئیں اک آن ہی میں پھر گئیں وہ ہم سے اے رحمت
جنھیں سمجھے ہوئے تھے ہم یہ آنکھیں مروت کی

زیرک - جناب علی احمد صاحب قنوجی مقیم حال حیدرآباد تلمیذ حضرت برتر

بلائے جاں ہوئیں بیتابیاں شوق شہادت کی
خدا ہی شرم رکھ لے اُنکے انداز نزاکت کی

ہجوم ضعف سے رکتا ہے دم رہ رہ کے سینے میں
تن بسمل میں ہے جان حزیں اب کوئی ساعت کی

جلیں چپ چاپ جسکے عشق میں ہم شکل پروانہ
وہ شمع بزم دشمن ہو یہ خوبی اپنی قسمت کی

تری غلغال کی آواز نے اے فتنۂ محشر
جگا کر خفتگان خاک کو برپا قیامت کی

نگاہیں دیکھتی ہی رہ گئیں وارفتہ ہو ہو کر
بلائیں بڑھ کے لیں پنجۂ مژگاں نے صورت کی

لیا کرتا ہے دل کی اے فلک کیوں رست بازو سے
نہیں بھاتی نہیں جاتی کجی تیری طبیعت کی

نہ چھوٹا پر نہ چھوٹا طائر دل دام گیسو سے
بہت تڑپا بہت پھڑکا بہت کچھ اپنے ہمت کی

زمین و آسماں برگ و شجر جن و بشر یکسر
شہادت دیتے ہیں اُس صانع مطلق کی صنعت کی

سیاہی نامۂ اعمال کی کافور ہو جائے
ادھر اک موج آجائے اگر دریائے رحمت کی

وہی دو گز زمیں ہے کل تری تقدیر میں غافل ۔ یہ مانا آج ہفت اقلیم پر تو نے حکومت کی
صفائی کی کوئی صورت نظر آتی نہیں یارب ۔ جگہ اُس سنگدل کے دل میں ہے گرد کدورت کی
شب وعدہ اگر ملجائیں زیرک مجھ سے وہ آکر ۔ قسم کھانے لگے خوبی قسمت میری قسمت کی

سالک - ابو العجز جناب محمد عبد المجید خان بٹالوی تلمیذ حضرت رسا مدظلہ

نہیں ہے بات میری کوئی بھی اب آدمیت کی ۔ یہ ساری مہربانی ہے جنوں کی اور وحشت کی
ضرورت شامیانے کی نہیں تربت پہ عاشق کی ۔ ازل ہی سے تنی ہے اس پہ چادر یاس حسرت کی
بتانِ ماہوش کے جھگڑے دیکھے ہیں دنیا میں ۔ تو حوریں ہمکو زاہد کیا پسند آئینگی جنت کی
وہی دل ہے کہ جو تھا گھر خدا کا اک زمانے میں ۔ وہی دل ہے کہ منزل ان دنوں ہے یاس حسرت کی
تعجب ہے اُٹھا سکتے نہیں رنگِ حنا کو بھی ۔ حسینانِ جہاں میں بھی کوئی حد ہے نزاکت کی
بروز حشر ہائے بر سر دربار رسوا ہوں ۔ گناہوں نے مری اپنے پراؤں میں فضیحت کی
ملیں یارانِ جلسہ عیش کا پھر دور دورہ ہو ۔ غموں کا سرد ہو بازار محفل گرم عشرت کی

شاکر - جناب شاکر علی صاحب خلف الرشید و تلمیذ حضرت برتر

کہاں تک نیند - کھول آنکھیں کوئی حد بھی غفلت کی ۔ نفیر خواب اے غافل صدا ہے کوس رحلت کی
نگاہ شوخ میں اتنی ہوئی کثرت شرارت کی ۔ کہ آنکھوں میں رہی باقی نہ گنجائش مروت کی
کسی سے وعدہ دیدار ٹھیرا ہے وہاں لیکن ۔ قیامت بھی تو ہے پابند انداز نزاکت کی
جس آئینے پہ تیری خودنمائی ناز کرتی ہے ۔ وہ اک بگڑی ہوئی صورت ہے تیرے محو حیرت کی
ہمارا خونِ ناحق رنگ لائے گا سرِ محشر ۔ بدل جائیگی رنگت عارض صبح قیامت کی
الٰہی یہ کرشمے ہیں تری قدرت کے بھی کیا کیا ۔ کروڑوں میں نہیں دو صورتیں بھی ایک صورت کی
ذرا تو سوچئے اِس بے نیازی کی کوئی حد بھی ۔ جفا کیا کی کوئی مجھپر بڑی گویا عنایت کی
کچھ ایسے بھر گئے ہیں شوخی رفتار کے فتنے ۔ رہی باقی نہ دنیا میں جگہ کوئی قیامت کی
سیاہی نامۂ اعمال کی دھل جائیگی شاکر ۔ اگر برسے گی بدلی گریۂ اشکِ ندامت کی

[illegible]

شاد - آپ کا اسم و پتہ خط تحریر نہ تھا اُمید کہ آئندہ آپ اطلاع دینگے

کہاں پہلے دل آزاری - کہاں اب اتنی دلداری ۔ وہ باتیں تھیں شرارت کی یہ باتیں ہیں محبت کی

ملے مٹی میں کیسے کیسے گل اس باغ عالم کے
حسیں کیا کیا نہ تھے خاک اُڑ رہی ہے جنکی تربت کی

شمیم - جناب بابو چھیتر مل صاحب بھرتپوری تلمیذ جناب شیدا دہلوی

ضیا سے طور سے بڑھکر ہمارے کنج تربت کی
جلا رکھی ہے شمع سوز غم نے داغ حسرت کی

جبیں سائی سے کچھ حاصل نہ حاجت زہد و طاعت کی
یہاں دل کی ضرورت ہے یہ باتیں ہیں حقیقت کی

اُڑینگی دھجیاں ای شیخ دستار فضیلت کی
اگر رندوں کے آگے دخت رز کی مذمت کی

بڑھی یہ میکشوں کی شان اے زاہد سر محشر
جھڑی ابر کرم سے لگ گئی باران رحمت کی

عدو کو دیکے خط بھیجا مری بیمار پرسی کو
نئے انداز سے ظالم عنایت میں عداوت کی

زمانے میں ہر انساں کی جدا ہی سیرت و صورت
جو سچ پوچھو تو یکتا صنعتیں ہیں دست قدرت کی

تمھارے خنجر ابرو کی جنبش بھی قیامت ہے
زباں سے کے ہو گئے ٹکڑے دہن میں گر شکایت کی

تمھارا روے زیبا چھپ نہیں سکتا ہے پردے میں
مگر درکار ہیں انسان کو آنکھیں حقیقت کی

کسی کی تیزی رفتار کے فتنوں نے بڑھ بڑھ کر
اُڑائیں دھجیاں محشر میں دامان قیامت کی

نہیں اُلفت شمیم آخر ہے کسکے روے رنگیں سے
گل داغ جگر میں بس گئی ہے بو محبت کی

شفیق - جناب منشی مہدی حسن صاحب از جہانگیرآباد - تلمیذ حضرت رسا

بڑی ہی آبرو ریزی ہوئی روز قیامت کی
ہوئی سایہ فگن جسدم درازی تیرے قامت کی

خلش دل میں چلی جاتی ہے میرے خار وحشت کی
پس مردن ملی جاگیر کیا صحرائے غربت کی

نہ پیش آئیگی اب کوئی یقین ہے سختی منزل
اُٹھائے چل قدم ای دل یہ راہیں ہیں حقیقت کی

نظر آتے ہی پہلو سے اُڑا جاتا ہے دل اپنا
کہ عکس زلف مشکیں ہے سیاہی شام فرقت کی

چلی ہے بے سر و ساماں نکلکر کوے جاناں کو
الٰہی آبرو رکھنا شب فرقت مصیبت کی

بتا دیجئے کسی دن آپ کیسے کھینچنے والے ہیں
اگر باقی رہی تاثیر کچھ بھی جذب اُلفت کی

رکاوٹ خنجر قاتل کو ہے کچھ سخت جانوں سے
کہیں مٹی نہ ہو برباد پھر شوق شہادت کی

نہ جھانکا نزع میں بھی پردہ چلمن سے ظالم نے
تمنا رہ گئی سر پیٹتی شوق شہادت کی

اُٹھائیں بار اُلفت اے شفیق پھر کس طرح دیکھو
نرالی ہیں زمانے بھر سے اُفتادیں محبت کی

جوہر - جناب بابو کندن لال صاحب سہارنپوری سررشتہ دار سب ججی بھنڈ

غضب ہے حضرت دل آج پھر لیتے ہیں وحشت کی
کسی ناز آفریں نے کیا کہیں چشم عنایت کی

رسا [illegible] سودائیان دشت وحشت کی
اُڑائیں دھجیاں دامان صحرائے قیامت کی

شب غم کو ہے دعوائے رفاقت صبح محشر تک
گزر جاتی ہیں لحظہ بھر میں گھڑیاں عیش و عشرت کی

عدو کو ساتھ لیکر آتی ہے طرفہ مسیحائی
مجھے بے موت مارا آپنے اچھی عیادت کی

کہوں کیا راز حسن و عشق تیرے آگے ای زاہد
یہاں دل کی ضرورت ہے یہ باتیں ہیں حقیقت کی

بھری محفل میں وہ نظریں بچا کر دیکھنا مجکو
قیامت تک نہ بھولونگا کبھی نظریں عنایت کی

ابھی کیا کہتے تھے؟ تم صاف ہو! ہرگز نہ مانونگا
زباں پر دل سے آہی جاتی ہیں باتیں کدورت کی

نہاں قطرہ میں دریا ہے نہاں ذرہ میں صحرا ہے
عیاں آئینہ کثرت میں ہے تصویر وحدت کی

پلا ہی دی مجھے ساقی نے آخر قسمیں دے دیکر
کمائی عمر بھر کی دشمن ایماں نے غارت کی

میں کس سے کہنے بیٹھا آپکی اور غیر کی باتیں
ضرورت کیا مجھے اس مزخرف حرف و حکایت کی

وہ کیا مذہب ہیں جو دو دل اکھٹے کر نہیں سکتے
یہ تفریق مذاہب اور پھر تلقین وحدت کی

تمھیں سے چرخ نے انداز آفت کے [illegible]
تمھیں نے حشر کو چالیں سکھائی ہیں قیامت کی

بتوں پر جان دینا حاصل صد زندگانی ہے
شرر جو بات تھی کہدی ہے وہ میں نے طبیعت کی

شیدا۔ خاکسار چیندی پرشاد دہلوی - ایڈیٹر رسالہ ہذا

صفا ہو گوہر مضموں کے رخ پر آب شہرت کی
روانی جوش پر ہے آج دریائے طبیعت کی

بنی ہے غیرت محشر اداسی شام فرقت کی
نہاں تصویر ہے ہر نالۂ دل میں قیامت کی

سمٹکر کیوں نہ آجائے ہماری آنکھ کے تل میں
کہ رشک زلف جاناں ہے سیاہی شام فرقت کی

پس مردن بھی یوں اُنکی نگاہوں میں سمایا ہوں
عدو کی آنکھ کا سرمہ بنی ہے خاک تربت کی

اثر اتنا پس مردن بھی ہے سوز محبت کا
کہ خورشید قیامت لو ہے میری شمع تربت کی

دعا کیونکر نہ دیں کانٹے مرے پاؤں کے چھالونکو
لگا دی ہیں سبیلیں جا بجا جنگل میں شربت کی

پہنچ جاؤں گا یونہی میں کسی دن کوئے جاناں میں
تڑپ نے شام ہجراں میں اگر تھوڑی سی ہمت کی

شب فرقت کو دھو دھو کر کیا نور سحر پیدا
ہمارے دیدۂ تر نے محبت میں یہ خدمت کی

یقیں ہے صبح امید کی اب شکل دیکھیں گے
خطوں میں صرف کردی ہے سیاہی شام فرقت کی

تصور عکس عارض کا نہیں ہے شام ہجران میں
نظر میں آگئی ہے روشنی صبح قیامت کی

کسی کی آنکھ کی گردش ہے سوز و ساز کا پردا
جھلک ہمکو نظر آتی ہے جنت میں قیامت کی

تمھاری یاد دھوئے دیتی ہے فرقت کی لذت کو
نئے پہلو سے یہ صورت نکالی ہے عداوت کی

ابھر سکتے ہیں زخم دل ہرے ہو ہو کے مرقد پر
تری تلوار کا یہ کھیت اب چادر ہے تربت کی

رقیب روسیہ کی بزم میں مذکور جاناں ہے
ہوائیں آرہی ہیں آج کچھ دوزخ میں جنت کی

ہجوم گلفروشاں ہر گھڑی رہتا ہے مدفن پر
مرے پھولوں میں اتنی بس گئی ہے بو محبت کی

سخن اب خاک دہلی میں یہ فیض عام ہے شیدا
زبان خار تک پر اب تعلی ہے فصاحت کی

صبر - جناب محمد اسمعیل خانصاحب رامپوری تلمیذ حضرت تسلیم لکھنوی مدظلہ

عجب یہ گلشن ایجاد میں صانع نے صنعت کی
کہ پتا پتا دیتا ہے گواہی رنگ قدرت کی

نہ مر کر بھی گئی قسمت میں بربادی جو لکھی تھی
صبا آکر اڑا جاتی ہے اکثر خاک تربت کی

یہانتک پاؤں پھیلائے ہمارے دست وحشت نے
کہ چادر ہو گئی کوتاہ بڑھتے بڑھتے ہمت کی

مرے آگے نہ دیکھا سوئے دشمن یہ غنیمت ہے
نگاہ شوخ نے تل بھر تو آنکھوں کی مروت کی

جلاتا ہے فلک شب بھر چراغ ماہ تربت پر
خدا نے یہ پس مردن تری کشتے کی حرمت کی

مرے آگے مرے دشمن سے سرگوشی نہیں اچھی
یہ مر جانے کی باتیں ہیں یہ شوخی ہے قیامت کی

نہ آنا تھا نہ آیا راہ پر یہ ضد اثر کو ہے
در ایجاب پہ جا کر دعا نے لاکھ منت کی

عدو کا قصۂ الفت سنایا تم نے پھر مجکو
وہی باتیں نکالیں پھر صفائی میں کدورت کی

زمانہ سختی روز قیامت جس کو کہتا ہے
گھڑی آفت بھری وہ بھی ہے میرے روز فرقت کی

مجھے شام غریباں گھیرتی ہے روز کیوں آکر
ملی ہے تن سے میرے خاک شاید دشت غربت کی

جنون قیس کا عالم فقط نظروں سے دیکھا تھا
کہ اب تک چشم آہو میں وہی شوخی ہے وحشت کی

عجب حیرت فزا حسن جہاں آرا تمھارا ہے
مصور آئینہ ہے کھینچکر تصویر صورت کی

جسے حسن بتاں کہتے ہیں ہم شان خدا سمجھے
ہمیشہ بت پرستی میں بھی ہمنے تو عبادت کی

دم گفتار اعجاز مسیحائی نظر آیا
دم رفتار دیکھی چال میں شوخی قیامت کی

حق و ناحق بگڑتے ہو یہ کوئی آدمیت ہے
عدو کو کچھ کہا ہمنے کوئی تم سے شکایت کی

نظر سے دیکھ لو جا کر بیاباں میں بگولوں کو
اگر ہے دیکھنی تصویر بربادی قسمت کی

ازل میں جو بری تقدیر دنیا بھر سے باقی تھی
سراپا صبر سمجھا حق نے وہ مجکو عنایت کی

صابر - جناب ہیم چند صاحب - بی اے - دہلوی

یہ دیکھو بن سنور کر آج پھر نکلے ہیں وہ گھر سے
الٰہی خیر کیجو پھر اُنھیں سوجھی شرارت کی

میں مرکر بھی رہا ثابت قدم تیری محبت میں
اُڑا کی خاک تربت تک جہاں میں میری تربت کی

بتوں کی بیوفائی کا گلہ شکوہ نکر صابر
زمانہ ہی سے اب تو اُٹھ گئی ہے قدر اُلفت کی

عاجز - جناب مولانا مولوی ابوالاتقیا سید لئیق احمد صاحب رئیس سہسوان

پیے جاؤ عجب لذت ہے اس جام محبت کی
ابھی سے فکر کیا ہے میکشو تمکو قیامت کی

خفا مجھ پر ہوئے جب جور کی اُن سے شکایت کی
عدو سے کچھ نہ بن آئی تو یہ مجھ پر عنایت کی

تڑپتی لاش چھوڑی وادیٔ پرخار میں تو نے
جفا کیسی شہید ناز پر یہ بے مروت کی

دیا بوسہ عدو کو اور وہ بھی سامنے میرے
جفا مجھ پر نئی یہ اور تو نے بے مروت کی

ہمارے راہبر جب حضرت ختم الرسل ٹھیرے
تو کیا حاجت ہے پھر ہمکو کلید قفل جنت کی

وہ بت بدمست ہے غیروں کی الفت میں محبت میں
بھلا کیا ہو خبر اُس کو ہمارے درد فرقت کی

جفائے تازہ کی فریاد پر کہنے لگے ہنسکر
ہمیں تم سے شکایت ہے کہ کیوں تمنے شکایت کی

گنہ کہتے ہیں میرے جلد ڈالو اسکو دوزخ میں
الٰہی بخشدے اسکو سفارش ہے یہ رحمت کی

نقاب رخ بھی اُٹھ سکتا نہیں ہے دست نازک سے
مری جاں انتہا بھی ہے تمھاری اس نزاکت کی

عدو کو حکم محفل میں دیا ہے مے پلانے کا
ہمارے ساتھ اُس بت نے یہ دعوت میں عداوت کی

نہ پوچھو حال دل مجھ سے فقط تم دیکھ لو صورت
مجسم بن گیا ہوں کھینچ کے میں تصویر عبرت کی

کیا گلزار تو نے آتش سوزاں کو دم بھر میں
الٰہی ایک ادنی بات ہے یہ تیری قدرت کی

کسی کے عشق میں کھوتا ہے جاں دن رات رو رو کر
عجب حالت ہوئی ہے عاجز بیمار فرقت کی

عادل - جناب رادھے لال صاحب باندوی تلمیذ جناب آمر باندوی

فدا ہوں جسپہ میں اُس پر نظر ہے خود بدولت کی
جناب دل نے بھی ٹھیرائی ہے مجھسے رقابت کی

دوا کرتے تو ہیں عیسیٰ بہت درد محبت کی
مگر بیمار کو ہوتی نہیں اُمید صحت کی

نہ دل دیتے نہ اس درجہ تمہیں اغماز ہو جاتا
خطا کی بندہ پرور ہم نے جو تم سے محبت کی

پھبن کیا۔ بانکپن کیا۔ اٹھتا جوبن کیا۔ شرارت کیا
ہر اک انداز کہتا ہے کہ آمد ہے قیامت کی

رقیب روسیہ پر آپ کا دل جب سے آیا ہے
نہ وہ چشم عنایت ہے نہ وہ باتیں ہیں الفت کی

اجل منہ دیکھتی ہے شکل پہچانی نہیں جاتی
بدل دی ضعف نے حالت یہ بیمار محبت کی

نہیں ممکن خرام ناز سے محشر نہ برپا ہو
غضب ہے قہر ہے رفتار میرے فتنہ قامت کی

تصور بھی ہمارا بن گیا ہے آئینہ خانہ
ہزاروں صورتیں پھرتی ہیں اک شکل و شباہت کی

نہ وہ شوخی نہ وہ چتون۔ نہ وہ اب چلبلا پن ہے
نگاہ شرمگیں کہتی ہے رخصت ہے شرارت کی

شب تاریک فرقت کی سیاہی جس نے دیکھی ہے
ڈرائیگی اُسے کیا خاک اندھیری کنج تربت کی

عدیل ایسا مٹایا دہر سے چرخ ستمگر نے
نشاں کیسا نہ رہی خاک تک بھی میری تربت کی

عاجز۔ جناب منشی بھاگیرت لال صاحب طلبسٹوی تلمیذ حضرت وجاہت از لاہور

نکل کر گھر سے جس نے دیس ہی پردیس کو سمجھا
اُسے صبح وطن سے کم نہیں کچھ شام غربت کی

لڑائی اب تو بھائی بھائی آپس میں لگے لڑنے
کسی میں بھی نظر آتی نہیں کچھ بات الفت کی

اٹھا کر بزم سے مجکو وہ کہتے ہیں رقیبوں سے
کہ دیکھو کس طرح محفل سے ہٹنے دور آفت کی

خرام ناز سے اُس فتنہ گر نے کر دیا محشر
قیامت والے کہتے ہیں قیامت میں قیامت کی

یہ محفل میں بٹھانا دل جلوں کا رنگ لایا ہے
کہ دود آہ سے کالی ہوئی رنگت تری چھت کی

ذرا سوچو تو جس کی سادگی پر مرتے لاکھوں
ضرورت کیا ہے اُس کافر صنم کو زیب و زینت کی

یہ تیری عاجزی اُسکو پسند آ جائیگی عاجز
سمجھ لے اب خدا نے دستگیری کی عنایت کی

غوث۔ جناب نواب سید غوث محمد صاحب رئیس دہلی و آنریری مجسٹریٹ بھرتپور

شفاعت کو کھلے جسدم زبان پاک حضرت کی
نہ کیوں محشر میں بخشش ہو گنہگاران اُمت کی

ہوا کیا شیخ سے گر دخت رز کی مذمت کی
جہاں میں سینکڑوں باتیں ہوا کرتی ہیں بدعت کی

فقط ہے داد دیا احباب کے حسن سماعت کی
حقیقت جانتا ہوں ورنہ میں اپنی لیاقت کی

فراق یار میں حالت ہے یہ بیمار الفت کی
اگر دن حشر کا گزرا تو شب آئی قیامت کی

بیاں کیا ہو حقیقت دردمندان محبت کی
کہ خود تصویر صورت بن گئی رنج و مصیبت کی

یہ کیا سوجھی تمھیں ای حضرتِ اعظ نصیحت کی
کہ اُس کوچہ میں جاکر اپنی جنسِ دل بھی غارت کی

میں اُن کو دیکھتا ہوں اور وہ آئینہ میں شکل اپنی
مجھے سکتے کا عالم ہی وہ ہیں تصویر حیرت کی

خیالِ یار میں دن رات ہم بیہوش رہتے ہیں
یہاں دلکی ضرورت ہی یہ باتیں ہیں حقیقت کی

جو حق سے بیخودی میں بادہ خوارونے دعا مانگی
گھٹائیں جھوم کر اُٹھیں وہیں بارانِ رحمت کی

خدا کا شکر بیٹھا ہوں پریرویوں کے جھرمٹ میں
ہوائیں آرہی ہیں ہر طرف سے باغ جنت کی

تڑپتا کیوں ہے ہجر یار میں تو ای دلِ ناداں
زمانہ میں ہوا کرتی ہی اک حد رنج و راحت کی

جو تم آؤ تو نکلے خانۂ دل سے کہیں باہر
چھپی بیٹھی ہے بیچاری تمنا ایک مدت کی

ظہورِ احمد مرسل سے عالم ہوگیا روشن
فروزاں غوثؔ کثرت میں ہوئی یہ شمع وحدت کی

کھلے ہیں کیا گلِ مضمونِ نو گلزار دیواں میں
زمینِ شعر میں ای غوثؔ تم نے خوب جدت کی

قنبرؔ ـ جناب حکیم قنبر صاحب احمد آبادی

اِسی کا نام الفت ہی یہی ہی رسم الفت کی
کہ ہم سے رنج کی باتیں عدو سے ہیں محبت کی

زہے قسمت کہ باتیں کرتے ہیں بے پردہ محبت کی
خدا نے آبرو رکھ لی مرے اشک ندامت کی

برا ہو اس تمنا کا خرابی ہو یہ حسرت کی
دگرگوں ہو رہی ہی ان دنوں حالت طبیعت کی

تماشا گاہِ صحنِ باغ میں گل تھے تماشائی
بلائیں لے رہی تھی چشم نرگس چشم حیرت کی

تمھیں پر جان دیتے ہیں تمھیں پر دل سے قرباں ہیں
تمھارے چاہنے والوں نے کب حوروں کی چاہت کی

نہ چڑھتے پھول تو ہر روز اُنکی تیوریاں چڑھتیں
جگہ ملتی جو کوئی یار میں ای کاش تربت کی

بھلا کیا پرسش روزِ قیامت کا مجھے غم ہو
محبت جان و دل سے ہی شہنشاہِ ولایت کی

تری دہلیز پر جو ہم برہمن بن کے بیٹھے ہیں
بظاہر بت پرستی کی حقیقت میں عبادت کی

تمھیں کہیئے کہ مجھ کج مج زباں سے کیا صفت ہوگی
ادا کی ناز کی غمزے کی شوخی کی شرارت کی

نہ سے تو نام جانے کا خدارا او بتِ کافر
تڑپ جاتا ہے دل پہلو میں سنکر بات رخصت کی

مری رسوائی پر اتنے نہ ہوں ای طعنہ زن کہدو
محبت میں کسیکو بھی خبر ہوتی ہے ذلت کی

نہ پوچھے کوئی مجھ سے مردم دیدہ کی حیرانی
مبیری آنکھوں میں ہی تصویر گویا شام غربت کی

غنی ہوں داغِ عشقِ سرورِ کونین سے قنبرؔ
نہ رکھی ہے نہ رکھوں گا تمنا مال و دولت کی

ستشں ال

قمرؔ - جناب شیخ محمد شریف صاحب بٹالوی تلمیذ حضرت رساؔ رامپوری

قیامت میں جو یاد آئی ہمیں اُس سروِ قامت کی
نظر سے گر گئی توقیر جو کچھ تھی قیامت کی

نئے ہر روز وہ ہم پر ستم ایجاد کرتے ہیں
ادائیں ہیں جو آفت کی تو باتیں ہیں قباحت کی

لڑکپن میں ہیں یہ بیباکیاں اللہ کی قدرت
جوانی اُن پہ آئیگی الٰہی کس قیامت کی

الٰہی تیری قدرت ہے جو وہ آیا ہے میرے گھر
بنا ہے یہ دلِ حیرت زدہ تصویر حیرت کی

جفائے ناروا سے باز آؤ اے حسینو تم
کہ ہو سکتے دادرس عاشق عدالت میں قیامت کی

زلیخا مر بھی لیتی نہ یوسف کا قیامت تک
نظر آتی جو شکلِ دلفریب اُس ماہ طلعت کی

گلے پر عید کے دن چل گئی تلوار قاتل کی
خوشی کیونکر نہ ہو مجکو بھلا اپنی شہادت کی

شبِ مہتاب جو بن بے بلائے میرے گھر آئے
بہت یہ آپنے احسان فرمایا عنایت کی

غزل پڑھ کر کیا سب شاد اہلِ بزم کو تو نے
قمرؔ صد آفریں کیا بات ہے تیری طبیعت کی

کاشفؔ - جناب منشی محمد کاشف صاحب ڈرافٹمین چیف انجینئری تلمیذ جناب وجاہت

لگی رہتی ہے ہر دم آگ سی سینے میں فرقت کی
مثالِ شمع جلتا ہوں یہ سوزش ہے محبت کی

لیئے تیغ برہنہ آج وہ مقتل میں آتے ہیں
خدا جانے کسے دیجائیں گے دولت شہادت کی

ہوا ہے زعم زاہد کو بھی اپنے چار سجدوں پر
خدا سے مل گئی ہے مول کیا جاگیر جنت کی

کروں کیا اور وصف اُسکے قد و قامت کا میں کاشفؔ
کہ ظاہر اُسکے قامت سے نشانی ہے قیامت کی

مجرمؔ - جناب محمد زکریا صاحب دہلوی - تلمیذ جناب رونقؔ دہلوی

نہ پوچھو داستانِ غمِ اسیرانِ محبت کی
کہانی کہہ نہیں سکتی زباں کچھ بھی مصیبت کی

خدارا کھول دے بوتل نکر اب دیر اے ساقی
گھٹائیں چرخ پر چھائی ہوئی ہیں آج رحمت کی

خدا کی شان ہے کیا بیوفائی کا زمانہ ہے
بڑھائی جس سے اُلفت ہمنے اُس نے کم محبت کی

کیا سیراب کس دن تو نے قاتل آبِ خنجر سے
بر آئی آرزو کب تشنہ کامانِ محبت کی

ہمارے قتل کو تلوار قاتل نے سنبھالی ہے
الٰہی شرم رکھیو دمِ کشتن نزاکت کی

شبِ وعدہ دبے پاؤں چلے آتے تو کیا ہوتا
تمھاری شوخیِ رفتار نے برپا قیامت کی

نکلکر کیا نسیم صبح آئی اُسکے کوچے سے
ہوائیں ہر طرف سے آ رہی ہیں باغ جنت کی

کرو بھی اب کہیں توبہ سیہ کاری سے اے مجرم / خبر بھی ہے تمہیں کچھ پرسشِ روزِ قیامت کی

معجز - جناب سید عبدالرحمن صاحب از قادرآباد ضلع بدایوں تلمیذ رفیق

سہا غم نازِ اُٹھائے خاک چھانی دشتِ وحشت کی / خدا کا شکر پوری ہو گئیں شرطیں محبت کی
طبیعت سیر ہو کیا سیرِ گل سے باغِ عالم میں / نہ بدلی ہیں یہ آنکھیں اُس رخِ گلگوں کی رویت کی
حسین ٹھوکر لگاتے ہیں جو آکر خاکِ مرقد پر / صدا آتی ہے کانوں میں مرے شورِ قیامت کی
بھری ہے صانعِ قدرت نے کیسی کوٹ کر شوخی / نہیں تل بھر تری آنکھوں میں گنجایش مروت کی
بظاہر پارسا بنتے ہیں مطلب ور ہی کچھ ہے / بھری ہے آرزو زاہد کے دل میں حورِ جنت کی
کہاں کا وصل کیسا پیار چاہت کسکو کہتے ہیں / کبھی صورت نظر آتی نہیں اُس بے مروت کی
اُسی بیدرد کے ہاتھوں سے چین آئے تو کچھ آئے / نہو گی چارہ گر تدبیر تجھ سے دردِ اُلفت کی
ملے گا کیا ملا کر خاک میں ہم خاکساروں کو / غبارِ دل نکالو چھوڑ دو باتیں کدورت کی
ادا و ناز و غمزہ صبح تک گھیرے رہے اُنکو / نہ پہنچی وصل میں بھی ہائے نوبت آج خلوت کی
جگر میں چٹکیاں لیتے ہیں یا دل کو مسلتے ہیں / حسیں جو بات کرتے ہیں وہ کرتے ہیں شرارت کی
لگاتا ہوں دُرِ مضموں کے انبار اے معجز / روانی کم نہیں ہوتی کبھی بحرِ طبیعت کی

مشتاق - جناب مشتاق صاحب بٹالوی تلمیذ جناب رسا

بتوں پر شیفتہ ہونا ازل سے اپنا شیوہ ہے / نہیں ہے ہمکو اے ناصح کبھی حاجت نصیحت کی
کسیکا شکوہ کرنے کی ہمیں کیا خاک جرأت ہو / نہیں سنتا دل اپنا ہی کہانی اب مصیبت کی
بہا کر اشک ظالم نے بٹھا دی ہے مری تربت / اُڑیگی کس طرح مٹی الٰہی میری تربت کی
کبھی صحرا کو جاتا ہوں کبھی جاتا ہوں بستی کو / الٰہی کوئی حد بھی ہے جہاں میں میری وحشت کی
غزل مشتاق کیا لکھیں ہمیں انصاف سے کہدو / نہیں کیا اک گھڑی بھی اب کہیں ملتی ہے فرصت کی

مضطر - جناب منشی سورج بلی نگم باندوی تلمیذ جناب بیدل باندوی

شبِ فرقت میں اے دل یاد کر کے اُنکے قامت کی / یہ اپنے ہاتھوں سر پر تو نے برپا اک قیامت کی
سوالِ وصل پر زیبا نہ تھا تمکو گالیاں دینا / عنایت کی جو میرے حال پر تو یہ عنایت کی
اب اے دل سورۂ والفجر پڑھنا چاہیے تجھکو / جو اُنکے مصحفِ رخسار کی تو نے زیارت کی

صفحہ ۴۴ سطر ۱۳ میں لفظ لکھا ہے کے بعد اتنی عبارت رہ گئی ہے۔ صاحب کشف و غیاث دجال کا لقب بھی مسیح بتلاتے ہیں صاحب غیاث نے مسیح لقب حضرت عیسیٰ و مسیح لقب دجال میں ایک خفیف تلفظی فرق بھی لکھا ہے۔ (ایڈیٹر)

مشتاق۔ جناب محمد میرزا صاحب تلمیذ جناب بدر صاحب

اندھیری خود بخود کافور ہو جائیگی تربت کی
چلا ہوں ساتھ لیکر روشنی میں داغ حسرت کی

تجھے خنجر بکف دیکھا ہے مقتل میں جو اے قاتل
ہر اک جانباز کو تیرے تمنا ہے شہادت کی

کسی کے مصحف رخ کا جو تھا منظور نظارہ
ہمیشہ سورہ والشمس کی ہمنے تلاوت کی

فغاں منہ سے نکلتے ہی الٰہی دم نکلجائے
صدائے نالۂ دلکش صدا ہو کوس رحلت کی

ہزاروں گل کھلا رکھے ہیں تیغ یار نے تن پر
نئی صورت نظر آتی ہے گلزار محبت کی

تمھاری آرزو یوں دیدۂ دل میں سمائی ہے
کہ جیسے حور مالک ہے میری جاں قصر جنت کی

خدا رکھ لیتا ہے رندوں کا پردہ وقت مدہوشی
تنی رہتی ہے میخانہ پہ چادر ابر رحمت کی

ہمیشہ آئینہ میں عکس بنکر وقت آرایش
بلائیں لیتی ہے روح سکندر تیری صورت کی

دم کشتن زبان تیغ میں چھالے نظر آئے
ہماری گرمئ خوں نے جو اے مشتاق حدت کی

مرزا۔ جناب سید علی مرزا صاحب برادر چچازاد نواب سلطان مرزا صاحب

لڑکپن میں تو بھولے تھے شباب آیا غضب آیا
اِسے ٹوکا اُسے مارا قیامت پر قیامت کی

اگر خاموش رہتا ہوں تو کہتے ہیں کہ کچھ کہیے
جو عرض حال کرتا ہوں تو کہتے ہیں شکایت کی

خدا کی شان ہے مرزا کہ وہ ہیں گل سے نازک تر
قسم کھاتے ہیں دنیا کے حسیں اُنکی نزاکت کی

نثار۔ جناب مسعود صاحب منیجر دواخانہ شاہجہانی دہلی تلمیذ جناب قمر دہلوی

نہ مجکو خواہش جنت نہ حسرت حور جنت کی
ملے وہ ماہ طلعت یا گلی اُس ماہ طلعت کی

مزا آنے لگا عشق حقیقی کا مجازی میں
ہوئی توصیف صانع کی جو کی تعریف صنعت کی

گدائے کوئے الفت ہوں سر و ساماں سے کیا مطلب
فقیری چاہیئے مجکو ضرورت کیا ہے دولت کی

نزاکت گر نہو مانع تو قصہ پاک ہو جائے
سنا ہے آج میرے قتل پر قاتل نے ہمت کی

ادھر ہے سرو سکتہ میں اُدھر شمشاد حیرت میں
تمھارے قامت موزوں نے دونوں پر قیامت کی

جنھیں اپنا بنایا تھا جنھیں ہمدرد سمجھا تھا
وہ خوش ہوتے ہیں سن سنکر کہانی درد فرقت کی

نثار اُس بھولی صورت پر عجب صورت بنائی ہے
جو ہاتھ آئے تو میں لیلوں بلائیں دست قدرت کی

نشتر۔ جناب قاضی محمد حافظ الدین صاحب تلمیذ حضرت رسا عموی خود

تو ہی انصاف سے کہدے کہ آخر انتہا بھی ہے
الٰہی میرے جرموں کی خدایا تیری رحمت کی

مزا جسنے اُٹھایا ہے ذرا بھی خاکساری کا
حقیقت کچھ نہیں اُسکی نظر میں بادشاہت کی

یہ کچھ اچھی نہیں عادت یہ کچھ اچھی نہیں باتیں
کبھی مجھ سے محبت کی کبھی دشمن سے اُلفت کی

کسی کے حسنِ روز افزوں نے جادو کر دیا ایسا
کہ زاہد نے بھلا دی یاد دل سے حورِ جنت کی

کہیں نشتر حسینوں کی نرم باتوں میں آجانا
یہ دل لینے کے حیلے ہیں یہ چالیں ہیں شرارت کی

نصیر۔ جناب قاضی نصیر الدین صاحب کرکٹر سکندر آبادی

عدو دودوں کی فرقت میں پریشاں حال رہتے ہیں
یہاں تو عمر بھر صورت نہیں دیکھی ہے راحت کی

تصدق ہوتے ہیں فتنے خرامِ ناز پر ہر دم
خدا رکھے ابھی سے اُنکی چالیں ہیں قیامت کی

کسی کی چاند سی صورت ہے نقش کالحجر دل میں
نصیر اچھی نشانی مل گئی ہمکو محبت کی

نوح۔ جناب مولوی منشی محمد نوح صاحب رئیس و تعلقہ دار نارہ ضلع الہ آباد تلمیذ جناب داغ

وہ مستغنی ہوں میں جسکو کبھی ہوسکے حسرت کی
نہ دنیا کی نہ عقبیٰ کی۔ نہ دوزخ کی۔ نہ جنت کی

جو مٹتے مٹتے تاریکی مٹی بھی شامِ فرقت کی
ہمارے گھر میں پھیلی روشنی صبحِ قیامت کی

یہ کہکر حضرتِ واعظ اُٹھے رندوں کی صحبت سے
نظر آتی نہیں اب بے خبر دستارِ فضیلت کی

الٰہی میں تو جب ہوں انقلابِ دہر کا قائل
بھلائی سے بدلجائے بُرائی میری قسمت کی

خدا سے گر کریں شکوہ تو ہاں شکوہ کا موقع ہے
تجھی سے ہم نے تیرے ظلمِ بے جا کی شکایت کی

ہمیشہ ناامیدی ہی میں گزری زندگی اپنی
تمنا کی تمنا ہم نے کی حسرت کی حسرت کی

جو در تک بھی نہ آیا تھا کبھی ای داورِ محشر
قیامت میں بلا کر اُس کو تو نے کیا قیامت کی

اُنھیں کیا آپ جانیں آپ کو وہ لوگ کیا جانیں
بجا ہے واقعی اغیار سے ہم نے محبت کی

کسے طاقت جو بزمِ غیر میں ہو ہم سخن اُس سے
بچا کر آنکھ میں نے دور سے صاحب سلامت کی

درِ جاناں پہ میں پہنچا نکل کر بزمِ دشمن سے
جہنم سے ملی ہے راہ مجھکو باغِ جنت کی

ہم اپنے دل کو اپنے دونوں ہاتھوں سے سنبھالے ہیں
الٰہی ہو چکی حدت بس دردِ محبت کی

جہاں ہے بوسۂ عارض کے ملنے کی خوشی مجھکو
وہاں افسوس یہ بھی ہے اسی پہ کیوں قناعت کی

فنا کے بعد کام آیا کوئی تو بے کسی آئی
بنی وہ میری تربت پر مجاور میری تربت کی

زمیں پر لالہ و گل ہیں فلک پر مہر و انجم ہیں
نظر بازوں کو دنیا میں کمی کیا اچھی صورت کی

وہ پیتے ہیں وفا کا امتحاں پڑے ہی پڑے ہیں
وہ اکثر رائے دیتے ہیں مجھے ترک محبت کی

بڑھے دہلی کے گلدستہ کی رونق اور اے رونق
مثال نوح سب کوشش کریں اس کی اشاعت کی

رونق - خاکسار پیارے لال - ایڈیٹر - گلدستۂ ہذا

نظر آتی ہے کثرت میں بھی ہمکو شان وحدت کی
چمک ہر خاک کے ذرے میں ہے نور حقیقت کی

طلب ہر دم کرم کی ہے تمنا تیری رحمت کی
نہ حاجت سیم و زر کی ہے نہ خواہش مال و دولت کی

رقم توصیف کرتا ہے ترے حسن و نزاکت کی
بلائیں لے رہا ہے آج خامہ دست قدرت کی

مجھے صورت سے اسکی آئینہ کو مجھ سے سکتا ہے
سراپا ہوں جہاں میں میں بھی اک تصویر حیرت کی

نہ پوچھو تا لب گور آئے کس دقت سے مشکل سے
ملی ہے آج مر مر کر یہ منزل ہمکو راحت کی

جسے سب حشر کہتے ہیں وہ ہے اک تیری ٹھوکر کا
تری رفتار کے آگے حقیقت کیا قیامت کی

اثر بعد فنا بھی رنگ لایا تیرہ بختی کا
کفن کی ہے سفیدی میں سیاہی شام غربت کی

خیال زلف جاناں میں مصیبت پر مصیبت ہے
بلائیں بن کے نازل ہو رہی ہے شام فرقت کی

دل سوزاں میں رہتا ہے خیال حور وش ہر دم
بہاریں لوٹتے رہتے ہیں دوزخ میں بھی جنت کی

دبے بیٹھے ہیں فتنے لاکھ ان نیچی نگاہوں میں
تمھاری ہر نظر تصویر ہے گویا قیامت کی

نگاہ ناز انکی مجھسے کہتی ہے سر محشر
ابھی ہم کیل دینگے منہ ذرا بھی گر شکایت کی

کھلا رکھا ہے رونق اک چمن مضمون و معنی کا
ذرا دیکھے تو کوئی شوخیاں رنگ طبیعت کی

انداز - بی موتی جان صاحبہ دہلوی بنت دولی جان - دہلی چھتہ شاہجی

کبھی ہے تیغ پر تصویر کیا قاتل کی صورت کی
کہ جھپکی پاتی ہیں آنکھیں شہیدان محبت کی

ہمارے دل کے زخموں میں غضب کی مین موتی ہے
چھٹکتی ہے نمک تاروں بھری یہ رات فرقت کی

ہمارا عکس بھی آئینہ میں مشکل سے آتا ہے
ستمگر کچھ تو حد ہو گئی ضعف و نقاہت کی

الٰہی مار کیونکر پا میں شام ہجر تا لے
کسی کے دل میں اک دیوار ہے گرد کدورت کی

بجھا رکھے ہیں سر قدموں کے نیچے پشت غربت میں
ہماری آبلہ پائی کی کانٹوں نے یہ عزت کی

بنا رکھا ہے اے انداز مضموں کا چمن لوبا
ہوا کیں کوچہ جاناں میں دیکھیں ہنسے جنت کی

(۱) اثیم جناب سید سلیمان حسنی الحسینی نرپاتوری

خبر مطو کرسے بعد مرگ بھی لیتے ہیں تربت کی
الٰہی انتہا بھی ہو کوئی اُنکی کدورت کی

اٹھائیں سختیاں ہم نے اثیم اس درجہ فرقت کی
طبیعت رفتہ رفتہ ہوگئی خوگر مصیبت کی

کسی کے روئے روشن کا تصور ہو مگر دل میں
کہ میری شام فرقت بن گئی ہو صبح عشرت کی

شباب آیا گیا بچپن خدا حافظ ہے عصمت کا
کہ اُنکے دل میں بھی پیدا اُمنگیں ہیں محبت کی

بہانے سے خرام ناز کے پامال کرڈالا
ہوئی توقیر اچھی بعد مردن میری میت کی

کسی دن جذبہ دل کھینچ لائیگا انھیں لیکن
ذرا سی رسم بھی تو چاہیئے صاحب سلامت کی

پسند خاطر نازک دکھائی نہو کیوں کر
کہ آتی ہو نظر صورت مجھے کثرت میں وحدت کی

اثیم اس بت کا ہرگز رشتہ الفت نہ ٹوٹیگا
کہ باندھی ہو گلے میں شوق نے زنجیر الفت کی

اشک - جناب منشی نواب حسین صاحب

بیاں کیا کرسکوں میں شوخیاں اس سرو قامت کی
جو باتیں بھولی بھولی ہیں تو چالیں ہیں قیامت کی

کہیں جبہ کہیں پٹکا کہیں پگڑی تھی حضرت کی
سنا ہو حضرت ناصح کی رندوں نے بری گت کی

کوئی مجنوں بتاتا ہو کوئی دیوانہ کہتا ہے
پر یرو تیری چاہت میں یہ ہمنے اپنی حالت کی

جمال یار کا جلوہ رہے ہر دم نگاہوں میں
نہ حوروں کی مجھے پروا نہ خواہش مجھکو جنت کی

شب عشرت گزر جاتی ہو کیسی آنکھوں آنکھوں میں
نہیں کٹتی الٰہی رات فرقت کی مصیبت کی

پھنسا کر عشق میں دل کو کہن نے کیا مزا پایا
گنوائی جان شیریں مفت میں برباد محنت کی

کہی کیسی غزل اے اشک تو نے واہ کیا کہنا
جہاں میں دھوم ہو تیری فصاحت کی بلاغت کی

بقیہ طرح گزشتہ

طالب - جناب منشی دنانک پرشاد صاحب بنارسی مقیم بمبئی

شعلۂ داغ جگر ہے عارض گل کا جواب
نالۂ دل دیرہا ہے شور بلبل کا جواب

ہے کہاں مخلوق میں اُس خالق کل کا جواب
تیری کاکل کو بنایا جسنے سنبل کا جواب

جو نہ پھیلائے کسی کے سامنے دست سوال
غیب سے اُسکو ملے اُسکے توکل کا جواب

پی لیا جب پھول تو چہرہ گلابی ہوگیا
با تجمل ہمنے پایا نشۂ مُل کا جواب

(۱) یہ غزلیات بوجہ دیر میں وصول ہونیکے خلاف ترتیب درج ہوئیں۔

وصل کا۔ دیدار کا بوسوں کا تھا اُس سے سوال
دے گیا وہ بیمروت اک نہیں کل کا جواب

بزم مے میں ہر طرف اُڑتی ہے زاہد کی ہنسی
قاہ قاہ مے کشاں ہے شور قلقل کا جواب

دار پر کھینچے گئے۔ سانپوں سے ڈسوائے گئے
مل گیا ہمکو سر سودائے کاکل کا جواب

کاہلی کی جس نے اُسکو کامیابی کب ہوئی
نامرادی ہے انساں کے تکاہل کا جواب

چار عنصر موت نے اُنکے بھی برہم کردیئے
چار عالم میں نہ تھا جن کے تمول کا جواب

وہ اگر بے رخ ہوئے تو ہم بھی بے پروا ہوئے
یاں بھی استغنا ہے اب اُنکے تغافل کا جواب

سادہ کاغذ سے جوابِ صاف کا ایما کیا
لاجواب آیا مجھے میرے ترسل کا جواب

سوچ کر جو بات کرتا ہے وہی ذی عقل ہے
کیمیا سے کم نہیں ہوتا تامل کا جواب

پیشِ دانشور خموشی ہے جواب جاہلاں
رند کیوں دینے لگے واعظ ترے غل کا جواب

یہ تجاہل اور وہ بھی عارفانہ کیوں نہ ہو
آجتک کسکو ملا تیرے تجاہل کا جواب

صاحبِ دیواں بھی ہیں پھر صاحب احساں بھی ہیں
بمبئی میں کون ہے طالب تجمل کا جواب

سرور۔ جناب عبدالصمد صاحب قادری ناظر عدالت دیوانی بھوپال

اپنی شوریدہ سری میں ہو نہیں بلبل کا جواب
زخم دل دیتے ہیں ہنسکر خندۂ گل کا جواب

چاہیے ہو حق بھی تھوڑی سی بوقتِ میکشی
بادہ نوشو کچھ تو دو مینا کی قلقل کا جواب

طعنہ زن ہیں اہل دنیا اسقدر کیوں ای سرور
ہے میری بے مائگی میرے توکل کا جواب

عاجز۔ ابوالاتقیا مولوی سید لئیق احمد صاحب رئیس اعظم سہسوان

نالہ و آہ و فغاں ہیں شور قلقل کا جواب
دیدۂ تر ہیں ہمارے ساغر مل کا جواب

ایک کلمہ سے ہی مٹتا دو دولت کو فروغ
رنگ وحدت میں دیئے دیتے ہیں ہم کل کا جواب

جھوٹے وعدے سے بنا کر مطمئن اچھے چھٹے
ہے تغافل آپکا میرے توکل کا جواب

دم نہیں نکلا ابھی ای ترک کچھ باقی ہے جان
ہر دہانِ زخم دل دیتا ہے اُس قتل کا جواب

آنکھ سے بہکر جو اشک لالہ گوں اسپر ٹپکے
دامنِ عاشق بنا ہے دامنِ گل کا جواب

لکھ دیا ہے ہمنے خط شوق میں پیغام وصل
دیکھئے کیا آئے اُس وہم و تخیل کا جواب

کر دیا ہے خط میں تو عاجز بہت اظہار عجز
دیکھئے کیا آئے اُس مستِ تغافل کا جواب

غیر طرح

حضرت رسا وکیل عدالت و شاعر دربار ریاست رامپور

ہاتھ اُٹھے تو ادا حرف تمنا نہ ہوا
اِس دعا گو کو دعا کا بھی سلیقا نہ ہوا

شکر ہے دیکے اُنھیں دل کوئی جھگڑا نہ ہوا
میرا تیرا نہ ہوا۔ اپنا پرایا نہ ہوا

کونسا عشق بتاں میں ہمیں صدمہ نہ ہوا
درد فرقت نہوا۔ غم نہ ہوا۔ کیا نہ ہوا

ہمسے بڑھکر کہیں آوارہ وطن ہیں یہ بت
جب سے نکلے ہیں میسر انھیں کعبہ نہ ہوا

دل ہوا چاک تو ارمان کہیں کے نہ رہے
پھر کسی گھر بھی غریبوں کا ٹھکانا نہ ہوا

غیر نے بات تو کی بات تو پوچھی میری
خیر سے تمکو تو اتنا بھی سلیقا نہ ہوا

بیٹھے بیٹھے بھی وہی شغل جنوں ہے ہمکو
گھر میں ہم خاک اُڑاتے ہیں جو صحرا نہ ہوا

خواب میں بھی تو نظر بھر کے نہ دیکھا انکو
یہ بھی آداب محبت کو گوارا نہ ہوا

محو حیرت ہیں تو دونوں ہیں تری محفل میں
ہم سے پردا ہوا آئینہ سے پردا نہ ہوا

جوش پر شان کریمی جو سر حشر آئی
پیش پھر کاتب اعمال کا لکھا نہ ہوا

کیا توقع ہے کہ وہ زینت پہلو ہوگا
جو تصور میں ہم آغوش تمنا نہ ہو

آگئے آپ دم نزع بڑی خیر ہوئی
کہ ہمارا ملک الموت سے جھگڑا نہ ہوا

کردیا آپ پہ صدقے دل ناداں اپنا
لاکھ پیارا تھا مگر آپ سے پیارا نہ ہوا

کاش اُچٹ کرہی ترا تیر نظر آجاتا
ہائے اس دل کے برابر یہ کلیجہ نہ ہوا

اُنکی یہ خوبی اخلاق کہ وعدہ تو کیا
میری یہ شومی تقدیر کہ ایفا نہ ہوا

جوش وحشت میں بھی اشکوں کی روانی نگئی
خشک دم بھر کے لیئے دامن صحرا نہوا

جذبۂ عشق سے ہم اُنکو بلا لیتے رسا
یہ بھی کمبخت طبیعت کو گوارا نہ ہوا

پرچہ پہنچتے ہی طرح ذیل پر غزلیات آنی چاہئیں "عیسیٰ ہیں سینکڑوں کوئی بیمار بھی تو ہو" ۲۰ مارچ تک۔ "اُن سے کہوں تو خاک کہوں دلکی آرزو" بسمل وغیرہ قافیہ ۱۵ اپریل تک "کہاں یہ مرتبہ میرا کہ ہیں ہمدم رازداں تیرا" نیہاں وغیرہ قافیہ۔ جو اصحاب غزلیات و مضامین بھیجنے میں تساہل کرتے ہیں اُنکو معلوم ہونا چاہیئے کہ اگر اُنکی غزلیات و مضامین بعد ترتیب رسالہ وصول ہوئے تو داخل دفتر کردیئے جائینگے اور آیندہ نمبر میں بھی اُنکا خیال رکھا جائیگا۔ (نوٹ) کم از کم عہ سال چندہ عطا کرنیوالوں کا نام نامی ایک سال تک فہرست معاونین میں درج ہوتا رہیگا

ہم عالیجناب شیخ امیر اللہ صاحب تسلیم مدظلہ کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ باوجود ضعف پیری و علالت طبع کے اس ناچیز گلدستہ کو اپنے کلام فیض التیام سے محروم نہیں رکھتے دعا ہے کہ خدا آپ کو شفا دے اور بدیر دنیا میں قائم رکھے (ایڈیٹر)

مضبوطی ظاہر ہوتی تھی اور اسکی خارجی نزاکت کو دور کرتی تھی۔ اُس کے سڈول اور دراز
قد نے اُسکے مناسب اعضا اور شباہت کو زیادہ خوبصورت بنا دیا تھا اور ساتھ ہی
اسکو مضبوط اور قوی ہیکل ظاہر کرتا تھا۔ پس ہمارا شریف نوجوان جس کا ہم ذکر کر رہے
ہیں گیند گھر میں بھی اپنا پارٹ نہایت عمدگی سے ادا کرنے والا ثابت ہوتا تھا۔ اور نیز
ایسا ہی جنگ و جدال کے وقت بھی خیال کیا جا سکتا ہے۔ وہ آزادانہ اور معمولی
پوشاک جو شکار کے واسطے موزوں ہوتی ہے زیب تن کئے ہوئے تھا۔ پارچہ
کتاں کا ایک کوٹ پرانے زمانے کی وضع کا اور کمر کے مقام پر ایک چمڑے کی پیٹی
بندھی ہوئی تھی۔ سینہ بالکل کھلا ہوا تھا جسکے باعث نہایت عمدہ کتاں کی قمیص
دکھائی دیتی تھی جسمیں ایک جڑاؤ نورتن بندھا ہوا تھا اور کوٹ کی کسیقدر چھوٹی۔ اور
ڈھیلی آستینوں سے ریشمی کتان کی قمیص کے کف دکھائی دیتے تھے۔ ایک لانگ
بوٹ کا نہایت خوشنما چمڑے کا تھا اور پنڈلیوں کے وسط تک پہونچا تھا۔ ٹوپی صرف ایک
سُرخ پر سے آراستہ تھی اور زمین پر ٹوکری کے نزدیک رکھی ہوئی تھی جس میں
اس کا مچھلی پکڑنے کا کانٹا اور کچھ مچھلیاں تھیں جنکو اسنے دریا سے پکڑا تھا۔
ٹوکری کے نزدیک ایک کتاب بھی پڑی ہوئی تھی اور اُسکے اوراق کو دیکھا جائے
تو معلوم ہو جاویگا کہ جون ملٹن کی لازوال تصنیف "پیری ڈائیس لاسٹ" ہے
اس زمانے میں یہ کتاب زیادہ مشہور اور عام پسند نہ تھی۔ لہذا یہ لارنس لی جسکا
ذکر ہم ناظرین کو سنا رہے ہیں کی لیاقت اور عقل کا ایک ثبوت سمجھا جا سکتا ہے۔
ہم ناظرین کو اپنے ہیرو سے واقف کر کے قصہ کا سلسلہ شروع کرتے ہیں۔ موسم
گرما کے ایک روز روشن میں قریباً ۴ بجے سہ پہر ہم اُسکو دریا پر مچھلی کا شکار کھیلتے
ہوئے پاتے ہیں۔ چند گھنٹہ تک وہ شکار کھیلتا رہا۔ چونکہ اپنے ساتھ کچھ ناشتا
وغیرہ نہ لایا تھا دن بھر کچھ نہ کھانے کیوجہ سے بہت تیز بھوک معلوم ہوئی اور پیاس

بھی لگنے لگی۔ دوسری مچھلی پکڑنے کے بعد اُسنے شکار ختم کرکے اپنا کانٹا ڈور اور
پھر سنبھالکر "ندرہال" کی جانب دیکھا جو وہاں سے ایک میل کے فاصلے پر تھا
اور پھر اُسنے اُسکے مقابل یعنی "رائی ہوس" کی طرف نظر ڈالی اور یہ سمجھ کر کہ وہ
چھوٹی آرام دہ سرائے "کنگر آرمز" سے چند قدم سے زیادہ فاصلے پر نہیں ہے
اپنے دل میں کہنے لگا۔ "فی الحقیقت میں وہاں تازہ دم ہو جاؤں گا۔ اور آرام لیکر
شام کو ٹھنڈک کے وقت فرصت میں اپنے گھر کا رستہ لونگا"
پس ٹوپی پہنکر ٹوکری اور کانٹا وغیرہ سنبھالکر اُسنے دریا کے کنارے کنارے
چلنا شروع کیا اور چند ہی منٹ میں "کنگر آرمز" میں پہنچ گیا۔
سرائے کی محافظہ نے جو ایک موٹی اور اوسط درجے کی خوبصورت چالیس سالہ
عورت تھی اسکو خندہ پیشانی اور نہایت خاطر تواضع سے۔ ایک چھوٹے کمرہ
میں جسکی کھڑکیاں دریا کی جانب کھلی ہوئی تھیں ٹھہرایا۔ یہ کمرہ بہت صاف ستھرا۔ اور
خانگی ضروریات۔ لیونڈر وغیرہ خوشبویات۔ ضروری سامان آراستہ۔ دھیمی دھیمی
خوشبویات سے مہک رہا تھا۔ ہمارا خوبصورت ماہی گیر بیٹھ گیا۔ اپنی تشنگی فرو
کرنے کے واسطے اول ایک گلاس آیل یعنی بیر شراب کا طلب کیا۔ محافظہ نے
حتی المقدور جلد مہیا کر دیا اسکے علاوہ اُسکی اور فرمایشات کی جن میں شراب بھی شامل
تھی بہت جلد تعمیل کی گئی۔ میزبانہ نے اُسکی توجہ حاصل کرنے کے لیئے زیادہ پھرتی
سے کام کیا۔ لیکن یہ ایک معمولی بات تھی۔ اِس چھوٹے سے دیوانخانہ میں ایک نہایت
نفیس میز جو اس سرائے میں موجود تھی سرائے کے دروازہ کے رخ بچھا کر میزبانہ بھاگتی
ہوئی چلی گئی۔ اور اپنے خاوند سے جو اِس وقت دہلیز کے پاس بیٹھا ہوا شراب اُڑا
رہا تھا کہنے لگی۔ "تم ہمارے اِس مہمان کی بابت کیا خیال کرتے ہو؟"
محافظ سرائے (جو اپنی بیوی سے عمر میں دس برس بڑا اور پستہ قد۔ دبلا تند مزاج

آدمی معلوم ہوتا تھا) اے بی تم مجکو ناحق دق کرتی ہو۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ یہ بورنی
شراب کش ہے جو اپنی رسوم یا فیس لینے کے لیئے یہاں آیا ہے۔ تمھیں روپیہ ادا
کرکے اُس سے رسید لے لینا چاہیئے۔

محافظہ (اُس اثر سے جو لارینس لی کے آنے سے اُسپر ہوا تھا متاثر ہو کے خندہ پیشانی
سے) "شیپرڈ" تم کیسے بیوقوف ہو۔ اگر وہ بورنی ہوتا تو پُل پر ہو کر نہ آتا۔ کیا تم نے اُسکو
یہاں آتا ہوا کبھی نہیں دیکھا ہے۔ اور کیا پہلے آپکی اُسکی صاحب سلامت نہیں ہوتی ہے؟

محافظ۔ پھر یہ کون شخص ہے؟

مسز شیپرڈ۔ سوائے کپتان لی کے اور کون شخص ہے۔

شیپرڈ (متغیر چہرہ درشت آواز بنا کر) اُو ہونڈرہال کے سر ولیم برنیڈ کا بھتیجہ ہے
اور سر تھا تم کپتان لی کے روبرو جو شاہی افسر ہے چھتہ کے نیچے ہنس رہی اور مسکرا
رہی تھیں۔ میں تمکو سمجھ دلاتا ہوں۔

بی بی۔ (خاوند کی طرف دیکھ کر غصہ سے) شیپرڈ! مجکو تمپر سخت تعجب آتا ہے۔ کیا یہ مہمان سرا
نہیں ہے؟ اور کیا اسکے دروازے اُن سب لوگوں کے واسطے کھلے ہوے نہیں ہیں
جنکی گرہ میں روپیہ ہو؟ بھلا ہمکو ہمارے مہمان کے پولیٹیکل خیالات سے کیا مطلب
فی زمانہ کپتان لی سے زیادہ خوبصورت ملنا مشکل ہے۔

شیپرڈ (بات کاٹ کر) مجھے اِس میں شک نہیں ہے کہ تمھاری ایسی ہی رائے ہے "تم
روبرو بیہودہ طور پر مسکرا کر باتیں کر رہی تھیں۔ بیوی دیکھو (ذرا زور دیکر اور سخت لہجہ...)
یہ ٹھیک ہے کہ یہ مہمان سرائے ہے اور جو اس میں داخل ہو اُسکی خاطر داری کرنا بھی تمھارا
فرض ہے۔ لیکن ایسے شخص کے روبرو کہ جو باعتبار اپنی رائے اور حالت کے تمھارے
خاوند سے فی الحقیقت نفرت رکھتا ہو۔ فضول مذاق کرنے کی ضرورت نہیں۔

بی بی۔ تم اپنی جانب دیکھو۔ اگر تمھارا یہ خیال ہے کہ میں نے اُس سے تمھارے پولیٹیکل

خیالات کی بابت اشارہ کر دیا ہے تو یہ تمھاری غلطی ہے۔ تباہ شدہ جمہوری سلطنت کے خیال کے علاوہ تمکو اپنے مفاد اور کام کا بھی خیال کرنا چاہیئے۔ یعنی خواہ شاہی جانب دار ہو یا جمہوری ہو اپنا روپیہ کمانا چاہیئے۔ اور مجکو یقین ہے کہ اگر تم کپتان لی کو یہاں آکر وقتاً فوقتاً شراب پینے اور ناشتہ کرنے پر راغب کر لو تو تمکو بہت فائدہ ہوگا تم کپتان لی سے واقعی بہت روپیہ حاصل کر سکتے ہو۔ اُسنے صرف "ایل" ہی نہیں لی بلکہ "کلیرٹ" کی بوتل بھی طلب کی ہے۔

شیپرڈ (ایسے لہجہ میں جس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنے پولیٹیکل خیالات کو اپنے منافع پر ترجیح دیتا ہے) میں جانتا تھا کہ وہ اُسکے اور چارلس کے دیگر خواہوں کے گلے میں خراش ڈالیگی۔

بی بی۔ (بے پروائی سے) کیا کپتان لی اُس عظیم الشان رجمنٹ کے آدمیوں سے جو ہرٹ فورڈ میں رہتے تھے تعلق نہیں رکھتا ہے۔ اور اگر تم نے "گنگاز ارمز" کو اُسکے واسطے آسایش وبندہ بنا دیا تو کیا اُسکے افسر دوست نصف درجن بھی مچھلی کا شکار کھیلنے نہ آئیں گے۔ اور پھر ایسے اشخاص کیواسطے کھانا مہیا کرنے میں کسقدر کثیر منافع ہوگا۔

شیپرڈ۔ مرتھا (بیوی کا نام ہے) تم خوب خیالی پلاؤ پکا رہی ہو۔ تمکو غور کرنا چاہیئے تمھاری گفتگو ایسی ہی فضول ہے جیسی کہ ہو سکتی ہے۔

مرتھا۔ (ناراضگی سے) فضول۔ فی الحقیقت۔ مَیں سمجھتی ہوں کہ تم افسروں کا ہرٹ فورٹ شائر سے راستہ طے کر کے یہاں آنا بڑا اہم کام خیال کرتے ہو۔ کیا کبھی شکار کھیلنے یہاں نہیں آیا۔ اور کیا لنڈن سے مسافر یہاں آکر قیام نہیں کرتے؟ جسکا پورا اٹھارہ میل کا فاصلہ ہے۔ حالانکہ ہرٹ فورٹ شائر یہاں سے صرف چھ میل کے فاصلہ پر ہے

شیپرڈ۔ (سختی سے بات کاٹکر) ہوش کی لو۔ تم مجکو سخت تکلیف پہنچا رہی ہو۔ اس باہمی گفتگو کو اب ختم کرو۔

ڈاکٹر برمن کی بنائی مشہور دوائیں

پچیس برس سے سارے ہندوستان میں استعمال میں آ رہی ہیں۔

(۱) دمہ زور سے اُچھلتا ہوا سی دوا کی دو ایک معتادی سے دب جاتا ہے۔

(۲) نیا رہتے اِس دوا کا استعمال کیا جائے تو دمہ جڑ سے جاتا ہے۔

(۳) پورانے رہنے والے یا جن کا دمہ دم کا ساتھی ہو گیا ہو وہ بھی اس دوا سے بہت جلد صحت پاتے ہیں

دمہ کی دوا ڈاک محصول ایک سے ۳ شیشی تک ۸ر قیمت ایک شیشی ایک روپیہ چار آنے ۱عہ

مقوی باہ کی گولیاں ڈاکٹری میں طاقت دینے والی دوائیوں میں مشہور دوائیں فاسفورس۔ اسکینیا اور ڈیمیانا ملا کر یہ گولیاں بنی ہیں۔ مغز ریڑھ۔ وِرگ۔ اس اور خون کو یہ طاقت دیتی ہے اِس لیے اِن کی کمزوری سے پیدا ہوئی معمولی کمزوری۔ ہول دل۔ یاد بھولنا۔ ہاتھ پیر کا کانپنا۔ نفوہ وغیرہ ان گولیوں سے آرام ہوتے ہیں۔ دو ہفتہ کی خوراک۔ تیس گولیوں کی شیشی قیمت ایک روپیہ۔ ڈاک محصول ایک سے چار شیشی تک ۵ر

امراض مستورات کی دوا یہ ہر ایک اقسام کے مستورات کی دوا ہے ہر طرح کی رحم کی بیماری۔ پیڑو درد گرمی کی کمزوری۔ پیڑو جانگ میں درد وغیرہ کو مٹا کر اس دوا کے استعمال سے رحم کی خرابی دور ہو کر جسم قوی ہوتا ہے۔ ایک دفعہ اس دوا کی بھی آزمایش کیجئے۔ قیمت ایک شیشی ایک روپیہ چار آنے ۱عہ (۱۶ خوراک) ڈاک محصول ۶ر۔ ان دوائیوں کی مفصل حالت مع سرٹیفکیٹوں کے پوری کتاب بلا قیمت ملتی ہے۔ منگا کر پڑھیے۔

ڈاکٹر ایس۔ کے۔ برمن
نمبر ۵ و ۶ تارا چند دت اسٹریٹ کلکتہ

رجسٹرڈ ایل ۶۸۳

کمال دہلی

قطعہ تاریخ اشاعت رسالہ ہذا از جناب کنور دری کرشن صاحب فرغ وکیل دہلی زبہر مصرع

یہ وہ گلدستہ گلشن ہر کرجس سے ہرجا ۱۳۲۷		آپ ظاہر ہے عجب جاہ وجلال دہلی ۱۳۲۷
سالِ ہجری ہی بہم میرے ہر اک مصرع سے ۱۳۲۷		واہ کیا خوب ہے تالیف کمال دہلی ۱۳۲۷

جلد ا بابتہ ماہ مارچ سنہ ۱۹۱ء نمبر ۱۰

فہرست مضامین

ایڈیٹر و پبلشر پیارے لال رونق وچندری پرشاد شید دہلوی

مقام اشاعت سڑک جدید - دہلی -

سنٹرل پریس دہلی میں باہتمام بابو چاند نرائن چھپکر شائع ہوا

قواعد وضوابط

(۱) یہ رسالہ بسرپرستی عالیجناب نواب فخر الدولہ سر میرزا امیر الدین احمد خان صاحب بہادر کے سی آئی فرمانروائی ریاست لوہارو و عالیجناب کنور بہادری کرشن صاحب فروغ وکیل دہلی و لالہ سری رام صاحب ایم اے مصنف مؤلف تذکرہ خمخانہ جاوید و نواب سراج الدین احمد خان صاحب سائل دہلوی ہر مہینے کی آخر تاریخ کو ہندوستان کے نامی گرامی دار الخلافہ زبان اردو کی ٹکسال شہر دہلی سے شائع ہوتا ہے۔

(۲) قیمت سالانہ عام پیشگی ۲؍ معاونین سے ۵؍ عہ مع محصول ڈاک سالانہ ہے لارڈ صاحب گورنمنٹ و والیان ملک سے جو کچھ عطا ہو۔

(۳) جواب طلب امور کے لیے آدھ آنہ کا ٹکٹ یا جوابی کارڈ آنا چاہیئے ورنہ جواب نہ پہنچنے کی شکایت معاف۔

(۴) خریدار و غیر خریدار سب کا کلام منتخب شائع ہوگا۔ ۲ یا تین کلام فی شعر ۲؍ اجرت پر چھپ سکتا ہے۔

(۵) طرحی غزلیات کے علاوہ دیگر نظمیں۔ مفید مضامین۔ دلچسپ واقعات و ضمنی تصانیف وغیرہ بھی زمانہ حال کے مذاق کے مطابق درج گلدستہ ہوا کرینگے۔

(۶) چندہ سالانہ بذریعہ منی آرڈر وصول ہونا چاہیئے۔ یا ویلیو پے ایبل کی اجازت ہو۔

(۷) نمونہ کا پرچہ ۳؍ کے ٹکٹ آنے پر حاضر خدمت ہوگا

(۸) اگر کوئی نمبر وقت پر نہ پہنچے تو اُسی مہینے اطلاع دینے سے مفت ورنہ قیمتاً روانہ ہوگا

(۹) گلدستہ بلا وصول پیشگی قیمت کسی صاحب کے نام جاری نہیں ہو سکتا۔

(۱۰) مضامین و غزلیات وغیرہ ہر انگریزی مہینے کی ۱۰ تاریخ تک صاف و خوشخط علیحدہ علیحدہ کاغذ پر مع نام اور پتہ آنا چاہئیں۔

(۱۱) ناظرین کے مذاق کے مطابق ایک عمدہ ناول کا سلسلہ بھی بطور ضمیمہ ہمیشہ شامل گلدستہ رہے گا۔

(۱۲) جملہ خط و کتابت و ترسیل زر بنام کنور بہادری کرشن صاحب فروغ وکیل سرپرست رسالہ ہذا نئی سڑک دہلی یا بنام ایڈیٹران ہونی چاہیئے۔

نوٹ۔ یہ رسالہ شائقین شہر کو دہلی سنٹرل پریس یا اڈیٹران سے ہر وقت ۲؍ نقد قیمت پر مل سکتا ہے کم از کم مبلغ ۵؍ سالانہ چندہ عطا فرمانے والوں کا نام نامی ایک سال تک فہرست معاونین میں درج رسالہ ہوتا رہیگا

پیارے لال تدوق دہلوی و چندی پرشاد شیدا دہلوی۔ اڈیٹرز

اِسمِ مقدس مسیحا کی نسبت

زبان اردو کو مہذب بنانے اور ترقی دینے والے فصحا کے خیالات

ناکسار ایڈیٹر جس وقت رامپور میں موجود تھا اُس وقت عالیجناب مولانا فرحتی صاحب دہلوی اُستاد ہز ہائنس نواب صاحب بہادر ریاست رامپور دام ملکہ واقبالہٗ بھی بہ تقریب تعطیل رامپور میں تشریف رکھتے تھے مجھ کو بھی خدمت اقدس میں نیاز حاصل کرنے کا اتفاق ہوا تھا۔ دوران گفتگو میں چونکہ صاحب موصوف کو اپنے وطن اور اُسکے باشندوں سے ایک خاص قسم کا اُنس ہے جو فطرتاً ہونا بھی چاہیئے۔ میں نے رسالہ کمال کے لیئے التجا کی کہ اپنے بیش بہا مضامین سے اسکو ممتاز فرمایں۔ میری عرضداشت کو مولنا صاحب نے قبول فرماکر مضمون ذیل سے اس رسالہ کی عزت افزائی کی ہے جو بصد شکریہ درج کیا جاتا ہے۔ آپنے لفظ مسیحا کی نسبت جو تحقیقات فرمائی ہیں وہ بالکل نیا طرز لیئے ہوئے ہے اور کل جدید ہونے کے خیال سے ناظرین کے لیئے بھی ضرور دلچسپی و توسیع معلومات کا باعث ہوگی۔ (ایڈیٹر)

کئی برس کے بعد میرے معزز دوست منشی پیارے لال صاحب آروق سلمہ اللہ تعالیٰ دہلی سے تشریف لائے۔ ہم وطنوں سے ملکر انسان کو جس قدر تفریح ہوتی ہے محتاج بیان نہیں زمانے میں دستور ہے کہ ملک میں جس بات کا چرچا ہوتا ہے اکثر ارباب ذوق کی صحبتوں میں اُسی کا تذکرہ رہتا ہے۔ چونکہ اجکل فصحاء لکھنؤ و دہلی خاصتہً اور بالعموم تمام اُردو کے قدر دان اہل ملک اُردو زبان کی درستی پر اپنے اوقات گرامی کو صرف کر رہے

ہیں ریاست رامپور میں بھی جو زبانِ فارسی اور اردو کا ملجا و ماوی ہے اور جسکی بدولت فضحاے لکھنو قدردانی کی کمال معراج پر پہنچے ہیں۔ اعلیحضرت **نواب صاحب بہادر** دام اقبالہم کی کارفرمائی اور حافظ احمد علیخان صاحب شوق کی باسلیقگی و اہتمام سے منشی عبدالمجید خان صاحب ادیب ہند (جنکی عمر کے اٹھارہ اُنیس برس لغات اُردو کی تحقیق اور اُسکے الفاظ کے جمع کرنے میں نثار ہوئے ہیں) اُردو لغات کی فرہنگ مرتب کر رہے ہیں۔ منشی صاحب موصوف نے بغرض مزید تحقیق تذکرہ فرمایا کہ آجکل بعض محققین لفظ مسیحا کے الف کی نسبت چھان بین فرما رہے ہیں۔ بعض بزرگوں کا خیال ہے کہ یہ الف ندائیہ ہے اس لیئے اِسکو منادی قرار دیکر اسپر دوسرا الفِ ندا لانا درست نہیں ہے مثلاً "اے مسیحا" کہنا۔ بعض بزرگوں کی راے اِسکے خلاف ہے۔ آپ بتا سکتے ہیں کہ فرہنگِ حامدیہ کے محقق نے جو اکثر اعلیحضرت کے اصلاح اور ملاحظہ سے بھی مشرف ہوتی ہے اِس لفظ کو کیا لکھا ہے۔ میں نے عرض کیا اُسکی سند سے تو سردست کوئی جواب نہیں دیا جا سکتا۔ البتہ جو مجھے معلوم ہے لکھ دیتا ہوں گو مجکو اپنی یاد پر بھروسا نہیں ہے۔

"مسیح" ایک مذہبی لفظ ہے۔ توریتِ مقدس کی اصطلاح میں مسیح اور ممسوح اُس شخص کو کہتے ہیں جسکی تقدیس کے لیئے کوئی نبی یا امام کاہن اُسکے سر پر مقدس روغن سے مسح کرے۔ جس کا ترجمہ انگریزی بائبل میں اِنوائِنٹڈ ہے یعنی تیل مَلا ہوا۔ روحانی مدد پائے ہوئے یا راج تلک کیا ہوا۔ کیونکہ بادشاہوں کو بھی امام کاہن اول مسیح بناتے تھے۔ مسیح عربی لفظ ہے۔ عربی کے طریق پر ہمیشہ حرف ندا اسم منادیٰ سے پہلے آتا ہے سواے میم مشدد کے جو لفظ اللّٰہمّ میں ہے اور آخر میں بعض محل پر جو الف اور ہا رہوز بڑھاتے ہیں وہ استغاثہ اور ماتم کے لیئے ہے۔ جیسے وامحمداہ۔ یازیداہ۔ اِس میں الفِ آخر ندائیہ نہیں ہے بطوالتِ صوت کے لیئے ہے پس ممکن نہیں کہ مسیحا کا الف عربی طریق پر ندائیہ ہوسکے۔ اور مسیح اُس کا منادی۔

البتہ یہ الف اہلِ فارس نے اضافہ کیا ہے مگر نہ بطور ندا جو فی زماننا اسم شریف حضرت عیسیٰ کے لیئے علم ہو گیا ہی۔ فارسی والے فصاحت کی غرض سے اور کبھی بحر کو پورا کرنے کے لیئے کبھی بطور تعظیم الف بڑھا لیتے ہیں جسکی امثال آپ کے رسالہ میں جناب سید محمود حسن صاحب ثاقبؔ نے بیان فرمادی ہیں۔ میں دو شعروں پر اکتفا کرتا ہوں جن میں الف بڑھایا گیا ہے۔

چو مہر دلبرم از ذرہ پروری کندا | ز سینہ ام غم دیرینہ اسپری کندا
بلے بلے کہ بہ دورِ جہاں کہ بتو اند | نظر بہ چشمۂ خورشید خاوری کندا

فرخیؔ۔ دہلوی

انجمن اتحادِ سخن دہلی

یہ مشاعرہ حسب معمول ۲۶ رفروری ۱۹۱۰ء یوم شنبہ بر مکان جناب کنور بدری کرشن صاحب فروغؔ وکیل دہلی واقع نئی سڑک دہلی نہایت شان و شوکت کے ساتھ منعقد ہوا۔ جناب کنور بدری کرشن صاحب فروغؔ کی تحریک و جناب شیدا صاحب کی تائید سے اس وقت کے لیئے جناب منشی جنیشور داس صاحب مائلؔ دہلوی سابق اڈیٹر رسالۂ زبان میر مجلس مقرر کیئے گئے۔ تقریباً دس بجے شمع کو گردش دی گئی۔ غزلیں نہایت پُرزور پڑھی گئیں خصوصاً جناب بدر اکبرآبادی۔ جناب اخلاق حسین صاحب اخلاق دہلوی۔ جناب المعظم نواب سراج الدین احمد خاں صاحب سائلؔ دہلوی کی غزلیں قابلِ ذکر ہیں۔ معزز سامعین کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ بعض اصحاب کی غیر طرح غزلیں بھی نہایت دلکش و پرزور تھیں۔ قریب ڈھائی بجے شب کے یہ مشاعرہ میر مجلس صاحب کے شکریہ کے ساتھ ختم ہوا۔ آیندہ کے لیئے حسب ذیل مصرع طرح اعلان ہوا۔ اُن سے کہوں تو خاک کہوں دل کی آرزو "بسمل و غیرہ قافیہ - بابت ماہ اپریل - کہاں یہ مرتبہ میرا کہ عشق میں رازداں تیرا" جان

فہرست سرپرستان و معاونین رسالۂ ہذا

عالیجناب صاحبزادہ شبیر علیخاں صاحب بہادر خلف الرشید حضور پرنور نواب صاحب بہادر خلد آشیاں ریاست رامپور
عالیجناب نواب سعید الدین احمد خانصاحب طالب رئیس دہلی و جاگیردار ریاست لوہارو
عالیجناب رائے بابو ل صاحب رئیس انجینیر دہلی۔
عالیجناب رائے بشمبر ناتھ صاحب اکز کٹو انجینیر درجۂ اول رئیس دہلی۔
عالیجناب لالہ سریرام صاحب ایم اے مولف تذکرہ خمخانۂ جاوید۔ رئیس دہلی
عالیجناب کنور بدری کرشن صاحب فروغ وکیل دہلی و رئیس سکندر آباد۔
عالیجناب سید وحید الدین احمد صاحب بیخود۔ دہلوی۔
عالیجناب لالہ سریکشنداس صاحب ساہو گوڑوالے آنریری مجسٹریٹ و رئیس دہلی۔
عالیجناب رائے بہادر لالہ شیو پرشاد صاحب رئیس دہلی۔
عالیجناب شفاء الملک حکیم رضی الدین احمد خاں صاحب آنریری مجسٹریٹ دہلی۔
عالیجناب نواب سید محمد غوث صاحب غوث رئیس دہلی و آنریری مجسٹریٹ ریاست بھرتپور۔
عالیجناب بابو مہاراج کرشن صاحب رئیس دہلی۔
عالیجناب لالہ رامچندر صاحب آئرن مرچنٹ و رئیس دہلی
عالیجناب پنڈت شونراین صاحب شرما وید دہلی۔
عالیجناب بابو سجھولاناتھ صاحب سب پوسٹماسٹر دہلی۔
عالیجناب لالہ برجموہن لال صاحب رئیس دہلی۔
عالیجناب مولوی محمد حیات بخش صاحب رسا وکیل و شاعر دربار و مصاحب اعلیٰ سرکار ریاست رامپور
عالیجناب لالہ جھبولال صاحب رئیس دہلی۔

اُردو زبان کے خیالات پریشاں کا جواب

فی زمانہ دنیائے سخن میں اُردو شعرا کی کثرت اور علم و فن کی قلت نے ایک طرفہ تماشا دکھا رکھا ہے - ہر تُنک بندا پنے آپ کو شاعر بے بدل اور سخنور بے مثال سمجھکر بجائے خود اُستاذ بننے کا دعویدار ہے اور بیشتر کمالِ شاعری کو اِس سے منسوب کیا ہے کہ کسی سر برآوردہ سخنور پر خواہ مخواہ نکتہ چینی کر کے کسی رسالہ یا اخبار میں اُسکو چھپوا دیا اور اُسکی اشاعت کے بعد اپنی خوشامدی جماعت احباب میں کامل الفن اور نقادِ سخن بن بیٹھے - اِسکی وجہ یہ ہے کہ اُن کا مبلغ علم اور کمزوری طبیعت اُنکے کلام میں وہ جدت اور خوبی پیدا نہیں کرتی جس سے اُنکی شہرت اور اور مقبولیت کلام کا اُنکے سر سہرا ہو - پس اُنھوں نے یہ ایک طریقہ اپنی تشہیر و اظہارِ قابلیت کا ایجاد کیا ہے - حالانکہ یہ مفہوم خود اُنکے لئے نہایت مضرت رساں ہے اور کبھی ایسے رکیک خیال سے اُمید فلاح کی نہیں ہے - بلکہ بجائے شہرت کے تمغۂ حسد اور تعصب حاصل ہوتا ہے - اور پبلک میں ہدف تیر ملامت بننے کے سوا کوئی نتیجہ نہیں نکلتا - جن کے دماغ میں یہ بات سما گئی ہے اُنکو تحصیل و توسیع فن میں کوشش بلیغ کرنی چاہیئے جس سے وہ اپنے ناقابلِ قدر کلام کو عام نگاہوں میں باعظمت و قابلِ وقعت ثابت کر سکیں - اور اپنے وقتِ عزیز کو اُن قواعد کثیر الوجود کے مطالعہ اور استعمال میں صرف کریں جو واضعانِ فن نے وضع کئے ہیں - فی الحال ماہ نومبر سنہ ۱۹۰۹ء کے رسالہ کمالِ دہلی میں ایک مضمون بعنوانِ "اُردو کے خیالات پریشاں" شائع ہوا ہے جو رسالہ کمال میں کلام بھیجنے والوں کے لئے بطور ہدایت نامہ کے جناب لالہ للتا پرشاد صاحب شاد میرٹھی ضبط تحریر میں لائے ہیں - لالہ صاحب موصوف نے متروکات و ممنوعات پر بحث کر کے اُردو زبان کو زیر بار منت بنایا ہے - منجملہ اُسکے لفظ سیجا میں الف ندا بتا کر مثل ولا - ساقیا -

ناصحا کے متروک فرمایا ہے اور اس بحث میں یہ مطلع حضرت اُستاد جہاں فصیح الملک داغ مرحوم کا قرار دیکر پیش کیا ہے۔

علاجِ دردِ دل تم سے مسیحا ہو نہیں سکتا
تم اچھا کر نہیں سکتے میں اچھا ہو نہیں سکتا

مگر رسالۂ کمالِ دہلی مطبوعۂ جنوری سنہ ء میں جو لفظ مسیحا کی تحقیق کے عنوان سے سید محمود حسن صاحب ثاقب دہلوی کا مضمون سامنے آیا تو اُسنے رسالۂ کمال میں کلام بھیجنے والوں کے اُس اعتقاد کو جو شاد صاحب میرٹھی کے طبعی اختراع نے غریبوں کو غلطی میں ڈال دیا تھا جڑ سے اُکھاڑ کر پھینک دیا۔ ہمارے ذی علم دوست سید ثاقب صاحب نے بحوالۂ کلامِ اساتذہ نیز علمی دلائل سے لفظ "مسیحا" میں الف ندا کو حرف علت کی طرح مٹا دیا۔ اور جناب شاد کی اس ہدایت کا بطلان کما حقہٗ کردیا بلکہ یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ ثاقب صاحب نے اِس لفظ کی تحقیقات کا شاد صاحب کو ایک سبق دیدیا۔

دوسری بات یہ کہ جناب شاد نے جو مطلع اُستاد داغ مرحوم کا پیش کیا ہے وہ کس دیوانِ داغ میں اُنکی نظر فیض اثر سے گزرا ہے۔ ہم نے تو بہت کچھ دیکھا بھالا مگر کسی دیوان میں اِس کا وجود نہیں ہے۔ اِس سے پہلے ہم اپنے معزز دوست حضرت مضطر خیرآبادی سے اس مطلع کو سُن چکے ہیں۔ اُنھوں نے اپنا مطلع کہہ کر یہ مطلع پڑھا تھا۔ جو غالباً اُنکے دیوان میں موجود ہے۔

علاوہ اِسکے رسالۂ فصیح الملک ماہ نومبر ۹ سنہ ء کے دیکھنے سے واضح ہوا کہ رسالۂ مذکور کے صفحہ ۲۱ و ۲۲ میں ہمارے برادر مکرم حضرت احسن مارہروی نے نہایت تحقیق کے ساتھ تحریر فرمایا ہے کہ یہ مطلع جناب مضطر کا ہے حضرت داغ کا نہیں ہے۔ بلکہ اُنکی غزل کا مطلع یہ ہے۔

اشارہ اُس نگہ کا روح افزا ہو نہیں سکتا
کہ جادوگر سے اعجازِ مسیحا ہو نہیں سکتا

لیکن افسوس ہے کہ اِس مطلعِ استادِ مرحوم سے لفظ مسیحا میں الف ندا بدنصیب کا کوئی پہلو نہیں نکلتا۔ اگر شاد صاحب نے مطلعِ سابق کو کسی دیوانِ داغ میں دیکھا ہو تو براہ

مہربانی مطالع فرمائیں۔

یہاں تک تو لفظ مسیحا کی بحث نے جناب شاد کی سمع خراشی کی۔ اب اُسی تذکرہ ممنوعات و متروکات میں جناب موصوف نے لفظ "اَوَر" کی بابت ہدایت فرمائی ہے اور ہادی بنتے بنتے حضرت فصیح الملک داغ دہلوی کا ایک شعر درج فرماکر ؎

کہاں باغِ جنت کہاں باغِ یثرب کہاں بوئے گل اور بوئے محمدؐ

فرمایا ہے کہ راقم الحروف کے خیال میں اِس شعر میں لفظ اَوَر ٹھونسا ہوا اور بے جوڑ معلوم ہوتا ہے۔ ہوا خواہانِ داغ مجھے معاف فرمائیں۔

اِسکی نسبت گزارش ہے کہ جس روز سے مرزا داغ نے یہ شعر تصنیف فرمایا آج تک سوائے لالہ صاحب کے خیال کے اورکسی خیال کو یہ حوصلہ نصیب نہیں ہوا کہ اس شعر میں لفظ اَور کو بے جوڑا اور ٹھونسا ہوا بتاتا۔ یہ خیال لالہ صاحب موصوف کا کسی دلیل پر مبنی نہیں ہے۔ اور درحالیکہ دعویٰ بے دلیل ہے تو وہی میری تمہید جو شروع میں لکھ چکا ہوں صادق آتی ہے۔ اور لالہ صاحب پر موقوف نہیں کوئی شخص ایسی بیکار بحث سے دوسرے کی شہرت اور قابلیت میں دھبہ نہیں لگا سکتا۔ نہ اپنے آپ کو مقبول خلائق بنا سکتا ہے۔

اُستاد داغ کے اِس شعر میں جو "اَوَر" لفظ خوبی اور حُسن رکھتا ہے سچ یہ ہے کہ اس کا لطف وہ پاکیزہ خیال اُٹھا سکتے ہیں جنکو خدا نے اِس حسن و پاکیزگی کے سمجھنے کا سلیقہ دیا ہے۔ ہر شخص اور ہر طبیعت کا کام نہیں۔ خصوصاً وہ طبائع جو حسد اور تعصب سے پاک نہیں۔ نواب فصیح الملک داغ مرحوم جو اپنی نظیر آپ تھے۔ جنھوں نے اپنی ستھری اور پاکیزہ زبان سے اُردو کو آئینہ کر دیا۔ جنکی ناز کخیالی اور خوش کلامی کی شہرت نے فصیح الملک کا خطاب دیا۔ اور اُس رتبہ پر پہنچا یا کہ کسی شاعر کو آجتک یہ مرتبہ خواب میں بھی نصیب نہیں ہوا۔ اُنکے کلام اور بندش اور محاورہ پر حرف زن ہونا شاد صاحب میرٹھی کو کبھی نیکنامی اور شہرت کا تمغہ نہیں دے سکتا۔ بلکہ اُسکے خلاف جو کچھ اُمید کیجائے وہ تھوڑی ہے ؛؛

میں اسی قسم کا مضمون رسالہ "جلوۂ یار" میرٹھ میں لکھ چکا ہوں وہی کافی تھا
مگر رسالہ "کمال دہلی" میں چونکہ یہ مضمون شاد صاحب کا تھا اس لیے رسالہ مذکور
میں بھی بھیجتا ہوں تاکہ ناظرین شاد صاحب کے خیال کا بخوبی اندازہ کر سکیں۔

راقم خادم داغ

کمترین رسا شاعر دربار ریاست رامپور

عالیجناب حضرت لینا فرحی صاحب دہلوی استاد ہنرہائیں نواب صاحب بہادر رامپور دام اقبالہ

افاک اللہ عجب دغا در باختی رفتی — مرا در ششدر دوام بلا انداختی رفتی
حدیث بے ریائی ہائے کردارم نہ سنجیدی — بقول افترای مفتری پرداختی رفتی
امیدم بود بکشتی نجات خویش برداری — مرا در ورطۂ بحر فنا انداختی ۔ رفتی
ربودی دل ز پہلو دانش از دل کرتا از نش — حریم خانہ ام از ہر چہ بود پرداختی رفتی
بہ جرم اینکہ با غیر آشتی کردم بہ تقلیدت — مرا نعذیر کردی غیر را بنواختی رفتی
نمی گویند تنہا این و آں خود نیز میدانی — حقوق خدمت دیرینہ ام نشناختی رفتی

بہ بازی گاہ عشقش فرحی برہمنت نازم
متاع دین و دانش را چو سنجر باختی رفتی

ایضاً

محو نظارۂ رویت نظرے نیست کہ نیست — مست سودای جمالت بصرے نیست کہ نیست
اشک چشم آہ بدل۔ خوں بجگر۔ نالہ بلب — پس ہر پردہ نہاں پردہ درے نیست کہ نیست
قافلہ شد ز میاں نقش قدم ہا باقی ست — اثرے راہرواں بر گذرے نیست کہ نیست
خنک از مرہم لطف تو دلے نیست کہ ہست — زخمی ناوک نازت جگرے نیست کہ نیست
منکہ باشم کہ زنم لاف بہ آزادی دل — بستۂ حلقۂ موئے تو سرے نیست کہ نیست

من نہ تنہا گرو لطف توام اے نواب
بندہ خلق نکویت بشرے نیست کہ نیست

بلینک ورس

فصیح الملک" ماہ ربیع کی تحریک پر جو بلینک ورس کے متعلق جناب منشی فاضل سید
اولاد حسین صاحب شاداں بلگرامی پنشین پروفیسر مدرسہ عالیہ ریاست رامپور
نے ایک بالتصریح بحث کے ساتھ مضمون تحریر فرمایا ہے وہ بجنسہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے
حقیقت میں منشی صاحب نے جو کچھ لکھا ہے خوب لکھا ہے۔ واقعی جناب کی محنت وتحقیق
قابل داد ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ آیندہ بھی رسالہ کمال کو اپنے بیش بہا مضامین سے محروم
نہ رکھیں گے۔ **ایڈیٹر**

آنانکہ خاک را بہ نظر کیمیا کنند
آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

فصیح الملک نمبر ۱۲ جلد ۴ بابت ماہ دسمبر ۱۹۰۹ء میں ایک مضمون مولوی نجم الغنی
صاحب کا میں نے دیکھا جس کا عنوان "انشا پردازان اردو سے ایک اہم سوال" ہے
اس مضمون پر برادرم جناب احسنؔ مارہروی نے ایک اڈیٹوریل نوٹ بھی تحریر فرمایا ہے
پہلے ہم اس نوٹ کو کسیقدر اختصار کرکے درج اور اُس پر اپنی رائے ناقص کا اظہار کریں گے
بعدہٗ اصل مضمون کی نسبت جو کہنا ہوگا عرض کرینگے۔

عبارت مختصر نوٹ

جناب احسن تحریر فرماتے ہیں کہ ایک پیارے دوست نے "ہماری شاعری کے لئے نیا میدان"
کے عنوان سے اپریل ۱۹۰۹ء کے فصیح الملک میں "بلینک ورس" کو ایک نظم سمجھ کر بحث کیا
تھا اور اپنی رائے ظاہر کی تھی کہ اگر توسیع خیالات کے لئے اردو میں اس قسم کی نظمیں کہی

جانے لگیں تو بہت فائدہ پہنچے۔

جناب حسن نے اُس مضمون پر جو رائے ظاہر کی تھی اُس میں ثابت کیا تھا کہ بلینک ورس" انگریزی زبان کا نام ضرور ہے مگر اس کا رواج انگریزی سے پہلے فارسی میں موجود ہے جسکو **نثر مرجز** کہتے ہیں۔

یہ بھی ارشاد فرماتے ہیں کہ پہلے ہمارا خیال تھا کہ ایشیائی علوم کی ناواقفیت کے سبب سے اکثر انگریزی داں حضرات ایشیائی اصنافِ سخن کی حقیقت سے آگاہ نہیں۔ مگر اس مضمون کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ شمس العلما مولانا حالی بھی یہی خیال ظاہر فرماتے ہیں کہ نثر مرجز جسکو انگریزی میں بلینک ورس کہتے ہیں از قسم نظم ہے۔

رائے حقیر

عام اِس سے کہ بلینک ورس کا ترجمہ یا مقابل نثر مرجز ہو یا نہو مگر انگریزی میں ضرور ایک قسم نظم کی ہے جس میں قافیہ نہیں ہوتا ہے۔ زبانِ انگریزی میں بلینک کے معنی (معرّیٰ از قافیہ) اور ورس کے معنے نظم کے ہیں۔ چونکہ نظم انگریزی میں ایک چوتھی قسم گریمر کی ہے اس لیے نحاۃ انگریزی تحت بیان پراسوڈی (علم العروض) گریمر میں قواعد نظم لکھا کرتے ہیں۔ چنانچہ جے۔ سی۔ نسفیلڈ صاحب بہادر سابق ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم ممالک متحدہ نے بھی اپنی گریمر نمبر ۴ میں بلینک ورس کو تحت اقسام نظم تحریر فرمایا ہے۔ اور ملٹن صاحب کی پیراڈائز لاسٹ سے اسکی مثال لکھی ہے۔ انگریزی میں بلینک ورس کے منجملہ اقسام نظم ہونے میں کلام نہیں لہذا بلینک ورس کو نظم سمجھنا بہت درست ہے۔ نوٹ کے بقیہ امور کی تحقیق آگے لکھونگا۔ طولِ تکرار سے بچنے کے لیئے یہاں ترک کرتا ہوں۔

اقتباس مضمون مولوی نجم الغنی صاحب مع رائے حقیر

مولوی نجم الغنی صاحب کا یہ فرمانا بہت درست ہے کہ نئی روشنی والے بموجب الناس علیٰ دین ملوکہم اندھا دھند تقلید انگریزی پر مٹے ہوئے ہیں۔ اور خذ ما صفا و دع ما کدر پر عمل بالکل نہیں۔

اس میں بھی شک نہیں کہ فی زمانا جذبات اور نیچرل شاعری کی طرف طبیعتیں زیادہ مائل پائی جاتی ہیں مگر ہمارے اسلاف نے اس کام کو بھی باحسن وجوہ کر دکھایا ہے۔ چنانچہ جناب میر انیس صاحب نے اپنے مراثی میں صبح۔ شب۔ گرمی۔ بہار۔ صحرا اور بھائی بہن۔ ماں بیٹے۔ دولہا دلہن کی گفتگوؤں میں۔ اور منشی اسمٰعیل صاحب تمنیر نے اپنی مثنوی معراج المضامین میں۔ تعریف صبح بنارس میں۔ اور جناب ظہیر نے گھر کی مذمت میں کیا کیا نیچرل سینریاں کھینچی ہیں۔ اور غزل گوئی میں میر و غالب (ایک رنگ کے اشعار میں) نے کیسے کیسے جذباتِ عاشقی کو نظم فرمایا ہے اور کیسے مؤثر اشعار کہے ہیں۔ انکی کس منہ سے تعریف کیجائے۔ یہ کہنا انصاف کا خون کرنا ہے۔ کہ ایشیائی شاعری ایسے امور سے خالی تھی۔ البتہ مغربی خیالات جو اب اردو کے سانچے میں ڈھالے جاتے ہیں یہ پیشتر نہ تھے کیونکہ اس وقت تک ہمارے اور اہلِ مغرب کے درمیان تبادلۂ خیالات کے ذرائع اچھی طرح حاصل نہ تھے۔ پھر لطف یہ ہے کہ بہ تقلید فارسی ہزاروں قیود کے پابند رہکر اس وادئی دشوار گذار کو بھی طے کیا ہے۔

بلینک ورس کی خواہش اردو میں بے جا ہے

اول تو ایک بات جو ایک ملک کے لوگ پسند کرتے ہوں اسکے پسند کرنے پر دوسرے کیوں مجبور کیئے جائیں۔ ہماری طبائع ان سے از روئے فطرت بلحاظ اختلاف آب و ہوا مختلف ہیں۔ جن چیزوں کو وہ حسن سمجھتے ہیں ہمارے نزدیک قبیح ہیں اور اسی طرح بالعکس اسکے۔ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ حسن و قبح اشیا عقلی نہیں۔ سوائے حسن صدق و قبح کذب کے۔ ما بہ انتظام عالم اختلاف طبائع ہی سے منتظم ہے۔ اگر اختلافِ طبائع نہ ہوتا تو تمام عالم کے انسان ایک صنعت ایک علم ایک پیشہ کو پسند کرتے۔ اور دوسری چیزوں کو ترک کر دیتے جس سے ضروریات عالم میں خلل واقع ہوتا۔ اس اختلاف میں عجب صنعت باری ہے۔ بلکہ نشانہ اور ارتفاع اسی اختلاف کا قدرت الٰہی پر باہر ہے ؎

جن اصول اور خصوصیات ملکی کے ساتھ یورپ والوں کی نظمیں ہوتی ہیں انمیں

اُن میں۔ یہ کہ اکثر اُصول بوجہ اختلاف طبائع ہماری طبیعتوں پر سخت گراں ہیں۔ چنانچہ اوزان انگریزی کو دیکھ لیجیے۔ اور انگریزی پر منحصر کیا ہے بعض بحور عربیہ بھی ہماری طبیعتوں پر موزوں نہیں۔ ایسی خواہشات بیجا سے معلوم ہوتا ہے کہ آیندہ ہم سے کہا جائیگا کہ وزن انگریزی پر اُردو میں غزلیں کہی جایا کریں۔ حسب [illegible] [illegible] ملک کے امزجہ وطبائع وآب وہوا واشیا و اشکال وغیرہ مختلف ہوا کرتے ہیں۔ پھر ایک کی مرغوب چیزیں دوسروں کی پسند کیونکر ہوسکتی ہیں۔ ایسے اُمور کا ہمکو پابند کرنا گویا اُصول نیچر کے خلاف ہم کو چلانا ہے۔

دوسرے یہ کہ زبان انگریزی کا قافیہ تنگ ہے۔ چنانچہ انگریزی میں سن (آفتاب) بفتح اول کا قافیہ گوان (گیا) بروزن خوان اور فر (اچھا) کا قافیہ آر (ہیں) اور ٹپٹ بالضم (رکھنا) کا قافیہ نٹ بفتح (اخروٹ) اور لارڈ کا قافیہ ورڈ (لفظ) لاتے ہیں۔ ڈبلیو ورڈس ورتھ اور لارڈ ٹنیسن اور ایمرسن اور لانگ فیلو کی نظمیں ملاحظہ ہوں۔ بوجہ ضرورت قافیہ اِن الفاظ کے تلفظ میں تغیر کیا جاتا ہے۔ مگر نثر اور بول چال میں یہی تلفظ بتایا جاتا ہے جیسا کہ مَیں نے لکھا ہے۔ مَیں بہت سی مثالیں لکھتا مگر بخیالِ انقباض طبائع اُردو دانان زیادہ مثالوں سے احتراز کیا۔ جو لوگ انگریزی پڑھے ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اس طرح کے قوافی انگریزی میں کثیر الوقوع ہیں۔ پھر ایک اسٹینزے میں نہ تعدادِ مصاریع کا انتظام نہ قوافی کا کوئی بندوبست انھیں وقتوں نے انگریزوں کو نظم غیر مقفےٰ کہنے پر مجبور کیا۔ برخلاف ہماری زبان کے کہ ایک لفظ کے بکثرت قافیے موجود ہیں۔ ہمکو کیا ضرورت ہے کہ ہم نظم غیر مقفےٰ کہیں۔ کسی بڑے سے بڑے مضمون واقعہ۔ اور تاریخ کو ہم بہت آسانی کے ساتھ نظم کرسکتے ہیں۔ اور ایسے طولانی مضامین کے لیئے مثنوی اور مسدس کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ کیا عجب ہے کہ شاہنامہ کی اتنی ضخیم نظم انگریزی میں بلینک ورس کی بھی نہ ہوگی۔

تیسرے یہ کہ ہم ایشیائی لوگوں کی طبیعتوں کو بوجہ اُنس وعادت قدیم جو

حظ کہ نظم مقفیٰ سے ہوتا ہے وہ نظم غیر مقفیٰ سے نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم کو بلینک ورس کی طرف میلان نہیں ہے۔ کچھ نظمیں غیر مقفیٰ جو اُردو میں اب تک کہی گئی ہیں مرغوب طبع نہ ہونے سے اُنکو مقبولیت نہ حاصل ہوئی اور اُن کا کوئی نام بھی نہیں لیتا ہے۔

سب سے زیادہ فائدہ نظم غیر مقفیٰ کا یہ بیان کیا جاتا ہے کہ نظم میں وسعت اور سہولیت ہوگی۔ جب قید قافیہ ہمکو وقت میں نہیں ڈالتی ہے تو وسعت و سہولیت ہی کیا ہوئی۔ بڑی بڑی ضخیم نظمیں ہونا دلیل عدم دشواری ہے۔ فارسی میں شاہنامہ حملۂ حیدری۔ مرزا رفیع بازل۔ اور دو تین جلد ہائے مراثی انیس و دبیر موجود ہیں۔ اگر سہولت بلینک ورس میں ہم تسلیم کریں تو سب سے زیادہ سہولت نثر میں ہے اور یہ بلینک ورس سے بھی آسان ہے۔ کیونکہ نظم غیر مقفیٰ میں وقت وزن پھر بھی رہتی ہے پس معلوم ہوا کہ محض سہولت کوئی چیز نہیں بلکہ مرغوب طبع ہونا بھی ضرور ہے

باوجود قیود پابندی جناب میر انیس نے وسیع میدانِ مرثیہ میں نیچرل شاعری کو ٹھیک موافق بول چال کے نظم کرکے دکھا دیا۔ چنانچہ مولوی حالی فرماتے ہیں کہ اگر فردوسی لکھنؤ میں ہوتا تو اُنکی تقلید کرتا۔ اور جناب شہری فرماتے ہیں کہ مرثیہ اُنکی طرح کسی نے عربی و فارسی و انگریزی میں بھی نہیں کہا۔ پھر بتایئے قید قافیہ کیا خرابی لاتی ہے۔ بہرطور پہلے بلینک ورس کی خوبی اُردو میں ثابت کی جائے اور اُسکی ناگواری کو ہماری طبیعتوں سے دُور کرکے ہمیں اُس سے مانوس بنایا جائے تو پھر ہمکو نظم غیر مقفیٰ کہنے میں کیا عذر ہو سکتا ہے۔ نظم بلا قافیہ ہماری چڑ نہیں ہے۔

اگر اسی وقت سے نام برآوردہ اشخاص نظم بلا قافیہ کہتے رہیں بلا اسکے کہ اسی وقت سب کو متفق کرنے کی فکر کریں تو آیندہ جب ہماری طبیعتیں اُس سے مانوس ہو جائیں گی اور ہمارا توحش دور ہو گیا۔ اور اس کی خوبی ہماری سمجھ میں آگئی اور مقبولیت عام کا خلعت اُس کو مل گیا۔ اپنے آپ نظم غیر مقفیٰ کا رواج ہو جائیگا۔ اس وقت متفق بنانے کی کیوں فکر ہے۔ وقت ایجاد سب اُس سے موافق نہیں ہوا کرتے ہیں۔ آیندہ نسلوں کے مرغوب طبع اگر وہ ایجاد ہوتی ہے تو شایع ہو جاتی ہے ورنہ نہیں۔

دیکھئے پہلے عبارت مقفی وپرشوکت الفاظ کو لوگ بہت پسند کیا کرتے تھے۔ مگر اسی زمانے میں جناب غالب مرحوم نے مخلوط روزمرہ اردو میں لکھنا شروع کئے۔ وہ بھی نہ بوجہ رغبت طبع بلکہ بہ مجبوری چنانچہ خود اس رنگ کی عبارت کو بوجہ ضعف قوائے جسمانی لکھنا ارشاد فرماتے ہیں مگر اب وہی رنگ عام پسند ہوگیا۔ اور اس طرح کی عبارت کو حسن سمجھا جاتا ہے۔

بلینک ورس ونثر مرجز

بلینک ورس کا مترادف نثر مرجز کو جناب شمس العلماء مولٰنا حالی تو برادرم احسن مولوی نجم الغنی صاحب تینوں اشخاص سمجھتے ہیں۔ اور وزن بحور کا ہونا بھی نثر مرجز میں تینوں بزرگوار تجویز فرماتے ہیں۔ مگر مولٰنا حالی صاحب اُسکو از قسم نظم شمار کرتے ہیں اور باقی دونوں صاحب منجملہ اقسام نثر۔

ان تینوں بزرگوں نے جو تعریف کہ نثر مرجز کی تسلیم کی ہے مجھے اُس سے اختلاف ہے۔ اس وجہ سے بلینک ورس اور نثر مرجز میرے نزدیک ہم معنی الفاظ نہیں کیونکہ بلینک ورس کا انگریزی میں از قسم نظم ہونا میں ثابت کرچکا ہوں۔ اور نثر مرجز از قسم نثر ہے۔ پس اُس میں وزن بحور نہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ کلام کی دو ہی قسمیں ہیں ایک نظم اور دوسری نثر۔ جو کلام نظم ہے وہ نثر نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ یہ دونوں دو متقابل چیزیں ہیں۔ نظم میں وزن بحور معتبر ہے اور نثر میں نہیں لہٰذا جس کلام میں وزن بحور ہوگا۔ عام اس سے کہ اس میں قافیہ ہو یا نہ ہو وہ نثر نہیں کہا جا سکتا۔ مرجز کو نثر کہنا اور اُسکو از قسم نثر گننا خود دلیل اس امر کی ہے کہ اس میں وزن بحور نہ ہونا چاہیئے۔ ورنہ نثر کہنے کے کیا معنے ہونگے۔ اگر نظم و نثر میں فرق وزن بحور نہیں ہے تو ان دونوں میں مابہ الامتیاز پھر کونسی شے ہے۔ کیونکہ قافیہ تو نثر میں بھی ہوتا ہے۔

میرے نزدیک جو لوگ کہ تعریف نثر مرجز میں وزن سے مراد وزن بحور لیتے ہیں غلطی کرتے ہیں۔ بلکہ یہاں وزن عروضی مراد ہے چنانچہ عبدالرزاق یمانی مقدمات ظہوری میں تعریف نثر مرجز یوں تحریر فرماتے ہیں وہ در اصطلاح اہل انشاء مرجز کلامیست

منثور کہ وزن دارد و سجع ندارد۔ ہمچوں عزیزا صرفِ اوقات بے فکر واہب کارساز۔ و خرج انفاس خبر ذکر قادر کردگار حضرت تمام و حسرت کمال دارد"۔ اور فرہنگ انندراج میں لکھا ہے "مرجز بزائے معجمہ کمعظم نوعے از شعر۔ و باصطلاح اہلِ انشا قسمے از سہ اقسام نثر۔ کہ مرجز و مسجع و عاری است۔ پس مرجز نثرے باشد کہ کلمات فقرتین اکثر جاہا ہمہ ہموزن باشند در تقابل یکدیگر بدون رعایت سجع۔ مثال۔ خیالِ ناظم بے تعلق قامتِ دلربائے ناموزوں و قیاس ناقص بے تمسک کاکل موہائے نامربوط" اور یہی مسلک مصنفین غیاث و انشاء فیض رسان و احسن القواعد کا ہے۔ دیکھئے صرف و خرج۔ اوقات و انفاس۔ بے و خبر۔ فکر و ذکر۔ واہب و قادر۔ و کارساز و کردگار۔ اور اسی طرح دوسری مثال میں الفاظ متقابلہ فقرتین میں وزن عروضی ہے اور قافیہ نہیں ہے۔ اور فقراتِ امثلہ موزوں بھی نہیں ہیں۔

تعریف فرہنگ انندراج میں نوعے از شعر سے مراد یہ نہیں کہ نثر مرجز میں وزن بحور ہوتا ہے بلکہ لفظ مرجز بلا قید لفظ نثر کے نسبت کہتے ہیں کہ جو شعر بحر رجز میں ہو اُس کو مرجز کہتے ہیں۔ اور یہ معنی لغوی و وضعی بتائے ہیں۔ بعدہ معنی اصطلاحی نثر مرجز کو منجملہ سہ اقسام نثر بتا کر اور لفظ فقرتین لا کر اور مثلل کلام منثور سے دیکر واضح کر دیا کہ نثر مرجز نثر ہے اور اُس میں وزن بحور نہیں ہوتا ہے۔ نثر و نظم دونوں کا وجود ایک ہی عبارت میں معاً ممکن نہیں۔ کیونکہ وزن ہی شعر کو نثر سے جدا کرتا ہے شعر کی تعریف میں قید مقفیٰ۔ اور نثر مرجز کی تعریف میں قید وزن نے بہتوں کو دہوکے میں ڈال دیا ہے۔ جسکی وجہ سے بجویز وزن بحور بھی کرتے ہیں اور نثر بھی سمجھتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے انشا پردازانِ اُردو نے نظم بلا قافیہ کہی۔ یہاں تک کوئی مضائقہ نہیں لیکن اُس کو نثر مرجز سمجھنا سخت غلطی ہے۔ اِس پر طرہ یہ کیا۔ کہ تقابل میں الفاظ فقرتین کے ہموزن بوزنِ عروضی لانے کو بھی ترک کر دیا۔ جسکے بغیر نثر مرجز ہو ہی نہیں سکتی ہے۔

کوئی اُن سے پوچھے کہ تعریف نثر مرجز میں کلمات فقرتین کے تقابل ہموزن ہونے

معنے کیا ہیں۔ اول تو لفظ کلمات لانے کی کیا ضرورت تھی۔ دوسرے اگر وزن سے مراد وزن بحور ہے تو تقابل میں ہموزن کیوں کہا۔ اس لیئے کہ شعر کا دوسرا مصرع متقابل پہلے مصرع کے ہموزن ہی ہوتا ہے۔ ایسا نہیں ہوتا ہے کہ پہلے مصرع سے دوسرے مصرع کا وزن مختلف ہو۔

تینوں صاحبوں کی تعریف مسلمہ نثر مرجز سے علاوہ مطالع کے (کیونکہ مطالع کے دونوں مصرعوں میں قافیہ ہوتا ہے) ہر شعر غزل قصیدہ اور قطعہ کا نثر مرجز ہے۔ اور کوئی اس سے انکار نہیں کرسکتا۔ اور غزل و قصیدہ و قطعہ منجملہ اقسام نظم ہیں پس ایک ہی وقت میں نظم بھی ہوئی اور نثر بھی۔ اور یہ محال ہے۔

جناب مولوی نجم الغنی صاحب تو نثر مرجز میں وزن بحور مانتے ہیں اور فقرتین متقابلتین کا ہونا بھی ضروری نہیں سمجھتے ہیں۔ اِنکی تعریف سے جب تقابل بھی نہ رہا تو پھر ہم ہر صنف نظم کو بلحاظ ہر ہر مصرع نثر مرجز کہنے کے مستحق ہیں اور انھوں نے خود بھی آیات کے ایک ایک مصرع لکھے ہیں اور اُن کو نثر مرجز مانا ہے

تعریف نثر مرجز میں مولوی صاحب نے ارشاد فرمایا ہے کہ "ہر فقرہ وزن رکھتا ہو اور قافیہ ہو" اور آپ کی تحریر سے فقرۂ متقابلہ غیر ضروری ٹھہرتا ہے تو قافیہ ہونے یا نہونے کا لحاظ کس چیز سے کیا جائے گا۔ اور تعریف نثر مرجز میں قید قافیہ نہونے کی بیکار ہوجائیگی ناظرین میری تحریر کو غور سے ملاحظہ کریں۔

جب میں یہاں تک لکھ چکا تو چہار شربت مرزا قتیل کی مل گئی۔ انھوں نے یہ تعریف اور مثال لکھی ہے "مرجز نثرے باشد کہ از قافیہ پاک بود۔ اما فقرۂ اولا با فقرۂ ثانیہ مساوی الوزن باشد۔ مثال چشم کوکب مشتاق فیض از جمال پاک آن اختر لشکر ست + و دست دولت محتاج خیر از عطائے عام آں دار احشمت است" یہ بھی وزن سے مراد وزن عروضی ہی لیتے ہیں۔ اور مثال بھی نثر سے وہی ہے۔ امثلۂ نثر مرجز کے الفاظ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وزن سے مراد وزن صرفی ہے مگر سجع موازنہ کی مثال میں جو شعر خاقانی کا آگے آئے گا اُس میں جگر کے مقابل و ہموزن قفا ہے۔ اور جگر و قفا میں وزن

صرفی نہیں ہے بلکہ وزن عروضی ہے۔ خواہ وزن عروضی ہوتا ہو یا وزن صرفی نثر مرجز میں وزنِ بحور نہیں ہوتا۔

تعریف شعر

اب رہا یہ امر کہ قید قافیہ حد شعر میں جیسا کہ بعض اساتذۂ عروض نے تعریف شعر لکھی ہے آیا تحقیق نفسِ شعر میں قافیہ شرط ہے یا نہیں اس بارے میں محققین فن عروض کی یہی رائے ہے کہ تحقیق نفس شعر قافیہ پر مبنی نہیں ہے بلکہ وہ ایک امر عارضی ہے ورنہ تعریف شعر ناقص ہو گی۔ کیونکہ فرد پر جو منجملہ اقسام شعر ہے صادق نہ آئیگی۔ اور تعریف کو جامع اور مانع ہونا چاہیئے۔

محقق طوسی علیہ الرحمتہ نے معیار الاشعار میں شعر کی تعریف کلام موزوں مخیل فرمائی ہے اور قافیہ کو داخلِ شعر نہیں سمجھا۔ اور سکاکی نے بھی اسی قول کو مفتاح العروض میں ترجیح دی ہے۔ ان محققین کے قول سے ہر وہ کلام کہ جس میں وزن بحور پایا جاتا ہو اور قافیہ چاہے ہو یا نہ ہو نظم ہی ہے۔ اِس تعریف سے بلینک ورس یا نظم غیر مقفی داخلِ نظم ہے۔ مگر نثر مرجز کہ جس میں وزن بحور نہیں ہوتا ہے داخلِ نظم نہیں ہو سکتی ہے۔ پس یہ ارشاد جناب حالی کا کہ بلینک وَرس یا نظم غیر مقفی داخلِ نظم ہے بہت درست ہے مگر تغیر بلینک ورس کی نثر مرجز کے ساتھ صحیح نہیں۔

سجع موازنہ

اگر الفاظِ متقابلہ ہموزن بروزنِ عروضی میں وزن بحور بھی پایا جاوے تو اُسے سجع موازنہ کہتے ہیں (اور یہ صنعت قصیدہ یا غزل کے کسی شعر میں بھی ہوتی ہے) چنانچہ سکاکی تلخیص المفتاح میں اور میر شمس الدین فقیر دہلوی حدائق البلاغت میں یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ کل الفاظ دو فقرہ نثر یا دو مصرع نظم کے بر سبیل تقابل وزن میں متحد اور روی میں مختلف لانے کو سجع موازنہ کہتے ہیں اور یہ بمنزلہ ترصیع ہے سجع متوازی میں۔ (یہاں بھی اتحادِ وزن سے مراد وزن عروضی ہے۔ ورنہ ایک شعر کے دو مصرعوں میں متحد الوزن کہنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ کیونکہ شعر کے دونوں مصرعے ہموزن ہی ہوا کرتے

ہیں۔ جیساکہ اللہ تعالیٰ قرآنِ مجید و فرقانِ حمید میں ارشاد فرماتا ہے وَاٰتَیْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِیْنَ۔ وَهَدَیْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ہر لفظ پہلی آیت کا دوسری آیت کے ہر ہر لفظ کے ساتھ علی الترتیب ہموزن ہے مگر دونوں آیتوں میں وزن بحور نہیں۔ اور نظم میں یہ شعر حسان العجم خاقانی کا ۔ ؎

رشکِ نظمِ من خورد حسانِ ثابت را جگر دستِ نثرِ من زند سحبانِ وائل را قفا

علاوہ اسکے کہ یہ شعر بحر رمل محذوف میں ہے۔ رشک کے مقابل دوسرے مصرع میں دست رشک کا ہموزن۔ اور اسی طرح نظم۔ نثر۔ خورد۔ و زند۔ حسان۔ و سحبان۔ ثابت و وائل۔ جگر و قفا۔ باہمدگر وزن عروضی رکھتے ہیں۔ مگر ہم قافیہ نہیں ہیں۔ تعریف نثر مرجز میں وزن و قافیہ کے۔ تعریف نثر مرجز میں وزن و قافیہ کے یہی معنے ہیں پس نثر مرجز و سجع موازنہ میں نسبت عموم خصوص من وجہ ہے کیونکہ سجع موازنہ نثر و نظم دونوں میں پائی جاتی ہے ۔ اور مرجز صرف نثر میں۔ مرجز کو نثر کہنا اور پھر اُسے نظم سمجھنا میرے نزدیک بڑی غلطی ہے نثر کا نظم نہ ہونا روز روشن کی طرح واضح ہے۔ کیونکہ میں نے اُوپر ثابت کر دیا ہے کہ نثر مرجز باین حیثیت کہ قسم نثر ہے اُس میں وزن بحور نہیں ہو سکتا۔ اور یہ بھی ثابت کر دیا ہے کہ قافیہ کے بغیر بھی وجود شعر پایا جاتا ہے۔ اور قافیہ شعر کے لیے ایک امر عارضی ہے۔ نظم و نثر میں شے مابہ الامتیاز سوائے وزن بحور کوئی دوسری چیز نہیں۔ کیونکہ وزن بحور مع القافیہ والے کلام کو اگر شعر کہیں تو یہ معنی فرد پر صادق نہیں آتے حالانکہ فرد شعر ہے ✤

میرا خیال یہ ہے کہ کلام موزوں غیر مقفیٰ کو داخل نظم اور خارج از نثر مرجز ثابت کرنے میں مَیں نے ایک حد تک کامیابی حاصل کر لی ہے۔ جسکو مولوی صاحب نے دشوار فرمایا تھا۔

بلینک ورس اور نظم غیر مقفیٰ ہم معنی و مترادف الفاظ ہیں مگر بلینک ورس کا مترادف نہ سجع موازنہ ہے اور نہ نثر مرجز۔ سجع موازنہ میں کلماتِ متقابلہ کا ہموزن بر وزن عروضی ہونا شرط ہے اور وزنِ بحور بھی اُس میں پایا جاتا ہے۔ اور بلینک ورس میں صرف

وزن بحور ہوتا ہے اور نثر مرجز میں تقابل و وزن شرط ہے اور وزن بحور ندارد - پس
نثر مرجز اور بلینک ورس میں یوں بعید ہے - اِس سے تو سجع موازنہ ہی قریب ہے -

رائے حقیر بر متعلقات مضمون جناب مولوی نجم الغنی صاحب قبلہ

جناب مولوی صاحب نے بجاے سہ اقسام نثر ایک چوتھی قسم مقفی اور لکھی ہے - حالانکہ
مقفے کوئی مستقل قسم نثر کی نہیں - بلکہ مسجع میں داخل ہے - چنانچہ علامۂ سکاکی تلخیص
میں فرماتے ہیں السجع ھو فی النثر کالقافیۃ فی الشعر سجع کی تین قسمیں ہیں -
مطرف و مرصع و متوازی - متوازی کی ایک صورت مقفی بھی ہے - قتیل و عبد الرزاق
و صاحب غیاث و مولف فرہنگ اندراج و مصنف انشائے فیض رساں - و جامع احسن
القواعد نے اور ملا حسین واعظ کاشفی نے بدیع الافکار میں صرف اقسام ثلاثہ مذکورہ
کو اقسام نثر لکھا ہے -

سجع کی تعریف اور امثال بھی سہواً غلط تحریر فرمائی ہے - فرماتے ہیں کہ مسجع
وہ نثر ہے کہ الفاظ فقرتین وزن میں برابر ہوں اور حرف آخر میں بھی موافق ہوں -
یعنے پہلے فقرہ کے تمام الفاظ دوسرے فقرہ کے تمام الفاظ سے وزن و حروف آخر میں
موافقت رکھتے ہوں جیسے - کانِ ملاحت معدوم میان الخ اور جانِ صباحت موسوم
دہاں الخ - نہیں معلوم کہ مولوی صاحب نے اس تعریف سجع میں وزن سے مراد وزن
بحور کیوں نہ لی - اِسی طرح نثر مرجز میں بھی وزن سے مراد وزن صرفی یا عروضی ہی ہے -

تعریف سجع جو مولوی صاحب نے لکھی ہے یہ تعریف ترصیع ہے - جو سجع کی تین
قسموں میں سے ایک قسم ہے - اور سجع اُن تینوں قسموں کے شامل ہے - اور سجع کی تعریف
یہ ہے کہ پہلے فقرے کے آخر کا کلمہ دوسرے فقرے کے آخر کلمہ سے حرف آخر میں موافق ہو
اور یہ تعریف فقیر دہلوی نے لکھی ہے - اور قتیل کہتے ہیں - مسجع وہ نثر ہے کہ آخر فقرہ
میں ایک لفظ لائیں اور مقابل اُس لفظ کے دوسرے فقرے میں ایک لفظ ہو کہ روی و
ردف یا ردفین و تاسیس و دخیل و حرفِ وصل وغیرہ میں اُس لفظ کے ساتھ موافق ہو -
اور مقید کسی وزن کے ساتھ نہ ہو - جیسے قاصد تمھارا خط لایا - اور تمھارا پیغام سنایا -

الف اول لایا اور سنایا کا روی ہے اور موافق ہے مگر وزن لایا اور سنایا کا مختلف ہے۔

مختصر تعریف ہرسہ اقسام نثر کی ملا حسین واعظ کاشفی نے مبیع الافکار میں یوں تحریر فرمائی ہے۔ مسجع وہ نثر ہے کہ جس میں قافیہ ہو اور وزن نہو۔ اور رجز وہ نثر ہے کہ جس میں وزن صرفی یا عروضی ہو اور قافیہ نہو۔ اور عاری وہ نثر ہے جس میں نہ وزن ہو اور نہ قافیہ۔ ان تینوں نثروں کی تعریف میں وزن سے مراد کہیں بھی وزن بحور نہیں۔

جناب احسن کے نوٹ سے اسیقدر استنباط ہوتا ہے کہ اُنکے کسی دوست نے بلینک ورس یعنے نظم غیر مقفی کے اُردو میں کہے جانے کی خواہش ظاہر کی ہے۔ عام اس سے کہ وہ نثر مرجز ہو یا کوئی دوسری چیز۔ یا پیشتر سے نظم غیر مقفی کا وجود فارسی میں پایا جاتا ہو یا نہ پایا جاتا ہو۔ آپ کا جو جی چاہے بلینک ورس کا نام رکھیئے مگر اس امر میں رائے ظاہر کرنا چاہیئے تھی کہ بلینک ورس کے اُردو میں کہے جانے کی ضرورت ہے یا نہیں اور اس سے نظم اُردو میں سہولت یا وسعت ہو گی یا نہیں۔

نوٹ اور مضمون دونوں میں اس امر پر زیادہ زور دیا گیا ہے کہ بلینک ورس نثر مرجز ہے اور اُس کا وجود ہمارے یہاں پیشتر سے فارسی میں پایا جاتا ہے۔ اِس پہلو پر بحث نہیں کی گئی کہ آیا نظم بلا قافیہ مشرقی لوگوں کو مرغوب ہے یا نہیں۔ اور نظم غیر مقفی کہنے سے کچھ سہولت و وسعت معتدبہ ہو گی یا نہیں۔ میرا مضمون ان دونوں پہلوؤں کو بھی لیئے ہوئے ہے۔

زبان پابند قواعد نہیں

مولوی صاحب یہ بہت صحیح ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک زبان کی تقلید دوسری زبان میں پورے طور پر نہیں ہو سکتی ہے گو وہ زبان اُس زبان کی ماتحت زبان ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ ہر زبان کی کچھ خصوصیات ذاتی بھی ہوا کرتی ہیں۔ خصوصاً اُردو کہ یہ ماتحت عربی و فارسی و بھاکا و سنسکرت ہے۔ اور اصل میں پراکرت میں اسماء و محاورات عربی و فارسی رفتہ رفتہ شامل ہونے لگے ہیں لہذا قواعد پراکرت کے زیادہ تر اردو میں

پائے جاتے ہیں۔ مگر جسقدر کہ ہمارے جدید روشن خیال اشخاص مغربی تقلید کے دلدادہ ہیں اُسی قدر ایشیائی تعلیم کے فرنفیتہ اپنی مشرقی تعلیم پر مستبد ہیں۔
چنانچہ جناب آغا رفیق صاحب بلند شہری "فصیح الملک نمبر ۱ جلد ۴ میں تذکیر و تانیث الفاظ عربیہ مروجہ زبانِ اُردو سے بحث کرتے ہوئے قاعدہ کلیہ عربیہ کل الجموع مؤنث کا پابند ہمکو اُردو میں بھی کرنا چاہتے ہیں۔ اِس قاعدۂ کلیہ کے لحاظ سے علاوہ اُس جمع کے کہ جس کا مفرد مؤنث ہو ہمیں ہر ایسی جمع کو بھی مؤنث ہی بولنا چاہیئے کہ جس کا مفرد مذکر بھی ہو۔ کیونکہ کلیہ بلاکسی قید کے ہے اس لحاظ سے اوراق اوصاف۔ اوقات بھی مؤنث ہی ہونگے۔ حالانکہ جناب احسن نے فصیح اللغات میں ان جمعوں کو مذکر لکھا ہے۔
جناب والا زبان قواعد کی پابند نہیں اور قواعد پابند زبان ہوتے ہیں۔ زبان قواعد سے متقدم ہے اور قواعد زبان پر بنائے جاتے ہیں۔ پھر کیوں آپ زبان کو قواعد کے تحت میں لاتے ہیں۔ تذکیر و تانیث ہو یا کوئی دوسری بات متعلق زبان اُس میں بول چال کی پابندی ہوتی ہے۔ اِسی وجہ سے ایک مدت بعد جب زبان میں تغیر ہو جاتا ہے (اور تذکیر و تانیث میں زیادہ ہوتا ہے) لہذا ضرورت اس کی ہوتی ہے کہ قواعد میں ترمیم ہوتی رہے۔
یہ خیال صحیح نہیں کہ الفاظ عربیہ رائج اُردو میں اعتبار قواعد عربی کا کیا جائے اور نہ ایسا کبھی زبان میں ہوتا ہے۔ گلاس انگریزی زبان کا لفظ ہماری زبان میں گھل مل گیا۔ ہم اُسکو مذکر بولتے ہیں۔ لیکن انگریزی میں وہ (نیوٹر) ہے۔ یعنے نہ مؤنث و نہ مذکر۔ انگریزی مذکر کے لیئے (ہی) اور مؤنث کے لیئے (شی) اور نیوٹر کے لیئے (اِٹ) ضمائر ہیں اور ہمارے ہاں یہ تیسری قسم ضمیر کی ہے ہی نہیں۔ تو چونکہ گلاس انگریزی سے اُردو میں آیا ہے لہذا اصل انگریزی کے تتبع کے لیئے اب ہم ایک ضمیر نیوٹر ایجاد کریں۔ فارسی کے افعال میں تذکیر و تانیث نہیں ہے۔ مگر عرب جو اسماء کہ فارسی سے اپنی زبان میں لے گئے ہیں مثل فیل و نرجس وغیرہ ان اسماء کے

ساتھ اپنے قرارداد کے موافق فعل مذکر یا مؤنث لاتے ہیں اگر اصل کا لحاظ کیا جاتا تو چاہئے تھا کہ عربی میں ایسے افعال بھی ایجاد کرتے کہ وہ نہ مذکر ہوتے اور نہ مؤنث۔

اسی طرح اُردو میں بھی الفاظِ عربیہ کی تذکیر و تانیث بلحاظ روزمرّہ اُردو ہونا چاہئے عام اِس سے کہ موافق عربی ہو یا نہو۔ چونکہ یہ مسئلہ میری بحث سے خارج ہے۔ لہٰذا زیادہ توضیح کی ضرورت نہیں افراط و تفریط ہر دو گروہ کے ذکر میں یہ بحث بھی ضمناً آگئی۔ اکثر لوگ اس مغالطہ میں پڑے ہوئے ہیں اور قواعد کو اصل سمجھتے ہیں۔ حالانکہ زبان کے پابند قواعد ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ جب قواعد سے احصار نہیں ہوسکتا ہے اور زبان میں اُس بنائے ہوئے قاعدے کے خلاف بھی پایا جاتا ہے تو مجبوراً شاذ کہنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر قواعد اصل ہوں تو شواذ سب غلط ٹھیرینگے۔

علم منحصر بزبان عربی نہیں

ہمارے اولڈ فیشن کے لوگ علم کو منحصر عربی میں سمجھتے ہیں۔ آخر کس وقت میں معانی بیان وغیرہ علوم کی تدوین نہ تھی۔ اُسکو زبان پر لحاظ اور غور کر کے قواعد بلاغت ایجاد کیئے۔ کیا اب یہ ممکن نہیں کہ بلا استمداد عربی کوئی صحیح الدماغ قواعد بلاغت اُردو میں بھی ایجاد کرسکے اور نئی اصطلاحیں اُردو کے لیئے نکالے میرے نزدیک تو فیضانِ الٰہی میں کمی نہیں آئی ہے اور اب بھی موجد ہونا ممکن ہے۔ یہ اُمور یعنی ایجادِ فنون وصنائع۔ نبوت نہیں ہیں!۔

آیات نہ نثر مرجز ہیں۔ اور نہ شعر

جن آیات کو جناب مولوی صاحب نے نثر مرجز کہا ہے وہ نثر مرجز دو وجہوں سے نہیں۔ اوّل تو نثر مرجز میں وزن بحور نہیں ہوتا ہے۔ جیساکہ مَیں پہلے ثابت کرچکا ہوں۔ اور ان آیات میں وزن بحور موجود ہے۔ دوسرے اِن کا فقرہ متقابلہ نہیں ہے جس سے یہ دیکھا جائے کہ الفاظ متقابلہ وزن میں متحد ہیں یا نہیں اور قافیہ پایا جاتا ہے یا نہیں۔ کہ

حکم مرجز لگایا جاسکے۔ (۲) اور شعر اس وجہ سے نہیں کہ شعر بحر مسدس میں چھ رکن پر اور مثمن میں آٹھ رکن پر تمام ہوتا ہے اور ان آیات میں ایسا نہیں ہے لہذا کوئی آیت بھی ان میں سے شعر نہیں کیونکہ ہر آیت مرقومہ میں یا تین رکن ہیں یا چار رکن۔ حاصل یہ کہ مصرع پر شعر کا اطلاق نہیں ہوتا ہے اور یہ سب آیات مصاریع مختلفہ ہیں

قرآن شریف میں دو مصرعے ہموزن بامعنی ایک ساتھ برابر برابر کہیں نہیں ہیں ایک جگہ یہ جزو آیت دوسرے پارے کے آخر میں موزوں ہے۔

یاتیکم التابوت فیه سکینة من ربکم و بقیة مما ترك

جو بحر کامل میں ہے۔ اور وزن اس کا مستفعلن مستفعلن متفاعلن مستفعلن مستفعلن متفاعلن ہے یہ شعر اس وجہ سے نہیں ہے کہ جزو آیت ہے اور بغیر اول و آخر کچھ ملائے ہوئے اسکے معنے ناتمام ہیں۔ چنانچہ شروع اس آیت کا یہ ہے وقال لهم نبیهم ان اٰیة ملکه ان یاتیکم اور آخر اس کا یہ ہے مما ترك اٰل موسیٰ واٰل هٰرون تحمله الملئکة دوسری جگہ یہ جزو آیت اٹھائیسویں پارہ آخر سورۂ تحریم میں۔

مسلمت مومنات قنتت تئبت عٰبدات سٰئحت

بحر رمل میں ہے بروزن فاعلاتن فاعلاتن دوبار۔ جبکہ دونوں مصرعوں کے آخری ت کو منون پڑھیں اور اگر ساکن پڑھیں تو بروزن فاعلاتن فاعلات فاعلات ہوگا۔ اور اس آیت کی بھی وہی حالت ہے چنانچہ اس کا اول عسیٰ ربه ان طلقکن ان یبدله ازواجا خیرا منکن اور آخر اس کا ثیبٰت وابکارا ہے اور بغیر اول و آخر ملے ہوئے آیت سے معنی مستقل و مفید پیدا نہیں ہوتے۔

اور تیسری جگہ یہ جزو آیت پارہ الم لبعد نصف میں ہے۔

ثم اقررتم وانتم تشهدون ثم انتم هٰؤلاء تقتلون

اس آیت کا بھی تعلق اول سے اور آخر سے ہے جب تک انفسکم نملایا جاوے بے معنی ہے۔ پس یہ سب آیتیں بھی بوجہ کلام مفید ہونے کے کلمات ہیں اور بغیر

انضمام بعض الفاظ دیگر معنے تمام نہیں ہوتے۔ اِس بنا پر یہ کلام ہی نہیں ہیں۔ چہ جائیکہ شعر۔ کیونکہ شعر کو کلام موضوع ہونا چاہیئے۔ کلام غیر مفید کلام ہی نہیں اور جب معنوں کا لحاظ نہ کیا جائے تو ہر نثر سے جتنے شعر جی چاہے نکال لو۔

ناظرین غور فرمائیں کہ یہ استدلال میرا اگر صحیح ہے تو میں نے یہ بات بالکل نئی نکالی ہے اور یہ جواب کسی نے آج تک نہیں لکھا ہے۔ عمد و قصد و سہو ادب جتنے جواب دیئے جاتے ہیں سب ناکافی ہیں۔ کسی شعر میں جب وزن موجود ہے تو حقیقۃً شعر ہے چاہے عمد و قصد ہو یا نہ ہو۔ اور اسی طرح سوء ادب سے آیت کو شعر کہنا جبکہ وہ شعر ہو شعر ہونے سے خارج نہیں کرتا۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ ناظرین میرے اِس مضمون میں بہت سی نئی باتیں پائیں گے اور بعض اُمور غیر حل کو اس میں حل دیکھیں گے۔

قید قصد در شعر

بعض مصنفین فن عروض نے بالغ نظری سے کام نہ لیکر تعریف شعر میں قید قصد قائل لگاکر شعر بلا قصد کو شعر نہیں مانا ہے۔ اور یہی اُنکی کم توجہی ہے۔ جب اُس میں وزن شعری موجود ہے تو وہ شعر بھی ضرور ہے۔ فرض کرو کہ ایک شعر جو حقیقۃً بلا قصد نظم ہوا ہو اور وہ کسی وقت ہمارے سامنے آئے اور ہمکو کوئی علم قصد یا غیر قصد کا نہو تو باوجود وزن شعر نہ کہا جائیگا تو اور کیا کہا جائیگا۔ میرے نزدیک وہ شعر ضرور ہے مگر اُس کا کہنے والا شاعر نہیں اور اگر پھر لبقصد و اختیار خود شعر نہیں کہہ سکتا ہے اسی وجہ سے یہ مقولہ مسلم ہے مَن قال بیتان فھو شاعرٌ کیونکہ ایک شعر تو بلا قصد ممکن ہے مگر دوسرا شعر اُسی ردیف و قافیہ میں بلا قصد ممکن ہی نہیں۔ شعر کسی طرح سے اپنے قواعد پر صحیح اُتر جائے وہ شعر ہے۔ مگر شاعر ہونے کے لیئے قصد و ارادہ کی ضرورت ہے۔ قائل بلا قصد شاعر نہیں۔ محققین فن عروض تعریف شعر میں قید قصد لگاتے ہیں اور نہ قید قافیہ۔ اور یہی تعریف صحیح ہے۔

فرق نظم و شعر

شمس العلماء جناب مولوی حالی صاحب نے تعریف منطق کو گڈمڈ (مختلط) نہیں کیا ہے

کیونکہ منطقین کے نزدیک شعر میں وزن کی بھی ضرورت نہیں ہے اور جناب مولوی صاحب نفر مرحب نہیں تجویز وزن کر کے اُسے از قسم نظم شمار کرتے ہیں اور شعر میں بھی وزن مانتے ہیں۔ پھر اختلاطِ تعریفِ منطق کہاں سے آیا۔

اِس میں شک نہیں کہ کسی نے نظم و شعر میں کچھ فرق نہیں کیا ہے مگر بعض اُمور مقتضی اس بات کے ہیں کہ دونوں میں کچھ فرق ہو۔ مثلاً ایک مصرع با معنے ہمارے سامنے آئے اُسے شعر اس لیئے نہیں کہہ سکتے کہ شعر میں چھ رکن یا آٹھ رکن ہونا چاہیئیں اور ایک مصرع میں تین یا چار ہی رکن ہونگے اور بوجہ وزن نثر بھی نہیں کہہ سکتے۔ پھر آخر اس کا نام کیا رکھیں۔ بہتر یہ ہے کہ کلام منظوم کہیں۔

میرے نزدیک مناسب یہ ہے کہ نظم کو مقابلِ نثر ایک جنس یا مقسم قرار دیکر یہ تعریف کیجائے۔ کلام موزوں مخیل تاکہ تمام اقسام کلام موزوں پر صادق آئے حتیٰ کہ فرد اور مصرع پر بھی اور نظم غیر مقفی پر بھی۔ اور شعر کو نظم کی نوع یا قسم مان کر یہ تعریف کیجائے کلام موزوں مخیل مقفی پس گویا تقسیم کلام اس طرح ہوگئی۔ کلام کی دو قسمیں ہیں منثور و منظوم۔

کلام منثور کی تین قسمیں ہیں۔ مرجز و مسجع و عاری۔

اور کلام منظوم کی دو قسمیں ہیں نظم مقفی و نظم غیر مقفی۔

نظم مقفی کی نو قسمیں ہیں۔ غزل۔ قصیدہ۔ قطعہ۔ مثنوی۔ رباعی۔ مخمس۔ مسدس۔ ترکیب بند۔ ترجیع بند۔

غیر مقفی۔ کی ایک قسم ہے فرد۔ اور اس صنف میں بلینک ورس شامل ہے مولوی نجم الغنی صاحب شعر کے لیئے قافیہ کو ضروری بھی فرماتے ہیں اور فرد جو بلحاظ اکثروں کے نزدیک ہے اُس کو شعر بھی سمجھتے ہیں۔ جب تعریف شعر کلام موزوں مقفی مانی گئی تو یہ تعریف فرد پر کیونکر صادق آئیگی۔

ایک قول حکما کا بھی ایسا ملتا ہے کہ جس سے نظم و شعر دو جداگانہ چیزیں معلوم ہوتی ہیں۔ حکما کا قول ہے کہ نسبت تالیفہ جس چیز میں پائی جاتی ہے باعث انجذاب اہتزاز نفس ہوتی ہے اور نسبت تالیفہ عبارت ہے نسبت قدر تفاوت میان اوسط و اصغر بقدر تفاوت

میان اوسط و اکبر مثل نسبت اصغر با کبر سے۔ اور بہت سے دقائق علوم و اسرار حکمت مبنی بر احکام نسبت ہیں اسی نسبت شریفہ اعتدالی کی وجہ سے کہ اجزائے عناصر میں ہے تعلق نفس بدن کے ساتھ پایا جاتا ہے اور جب زوال اس نسبت کا ہو جاتا ہے تو باعث قطع تعلق نفس و بدن ہوتا ہے اور جب یہی نسبت اعضا میں پائی جاتی ہے تو حسن ہے اور اصوات میں پائی جائے تو نغمہ ہے اور کلام میں پائی جائے تو نظم و فصاحت ہے اور حرکات میں پائی جائے تو ناز و ادا ہے۔ اور عناصر میں پائی جائے تو اعتدالِ مزاج ہے اور نفس میں پائی جائے تو عدالت ہے اور بعض ہر مقام میں عاشق و طالب اِس نسبت کا ہے۔

یہ تعریف نظم کی عام تر ہے اور شعر اخص۔ نظم کی اس تعریف کے بعد شعر کی تعریف چاہیے کلامِ موزوں مخیل کیجیے۔ یا کلامِ موزوں مخیل مقفیٰ۔ بہر صورت نظم و شعر دو جداگانہ چیزیں ہونگی اور مولنٰنا حالی کا نظم و شعر کو دو جداگانہ چیزیں سمجھنا مصائب درست معلوم ہوگا

مولوی نجم الغنی صاحب کی تعریف سے معلوم ہوتا ہے کہ مولنٰنا حالی قافیہ کو نظم کے لیئے ضروری سمجھتے ہیں نہ شعر کے لیئے۔ اس تحریر میں سہو کاتب و ناقل کو اگر دخل نہیں ہے تو میری رائے اسکے برعکس ہے یعنے نظم کے لیئے قافیہ ضروری نہیں اور شعر کے لیئے ضروری ہے۔ کیونکہ نظم مقابلِ نثر ہے نہ شعر بس نظم کو شعر سے عام ہونا چاہیئے۔

مقدمۂ دیوان جناب حالی میرا دیکھا ہوا ہے مگر میرے پاس موجود نہیں ہے جو خود دیکھ کر اطمینان کر لیتا۔ مگر اس تحریر کو صحیح مان کر اتنا ضرور ہے کہ قول اول جناب حالی اس صورت میں معارض قولِ ثانی ہے۔ اِس لیئے کہ بلینک ورس کو نظم غیر مقفیٰ فرماتے ہیں اور پھر قید قافیہ بھی نظم ہی کے لیئے ضروری ارشاد کرتے ہیں۔ اِس لحاظ سے تو اسے شعر غیر مقفیٰ کہنا چاہیئے تھا۔

اگرچہ میں صاحب مذاق بزرگ نہیں اور نہ مثل مولنٰنا حالی اس مسئلہ پر روشنی ڈال سکتا ہوں لیکن جناب احسن نے نوٹ میں تحریر فرمایا تھا کہ "اگر مولنٰنا حالی خود اس باب میں تحریر فرمائیں تو کیا کہنا ورنہ امید ہے کہ کوئی نہ کوئی صاحب مذاق بزرگ اِس مغالطے اور معمے کو ضرور حل فرمائیں گے" میں نے آپ کو صرف کوئی نہ کوئی میں سمجھکر باوجود

ہیچمدانی خامہ فرسائی کرکے دوسروں کا اور اپنا وقت ضائع کیا۔ اگر اس مضمون میں کچھ بھی پسند ارباب کمال ہوجائے تو زہے قسمت۔

جس طرح کہ جناب احسن و مولوی نجم الغنی صاحب کو اس نوٹ اور مضمون سے مولینا حالی اور پروفیسر آزاد پر اعتراض مقصود نہیں۔ اسی طرح مجھے بھی کسی پر اعتراض مطلوب نہیں بلکہ جو بات مجھے حق معلوم ہوئی ہے بلا تعصب آزادی کے ساتھ اپنی رائے ناقص کا اظہار کیا ہے وبس ؎

آزادہ رو ہوں اور مرا مسلک ہی صلح کل ہرگز کبھی کسی سے عداوت نہیں مجھے

خادم المدرسین سید اولاد حسین شاداں۔ بلگرامی
پرشین پروفیسر۔ از رامپور۔

تعلیم اُردو

یہ امر تسلیم شدہ ہے کہ تہذیب بغیر علم کے نہیں آتی اور جس بدقسمت قوم کی مادری زبان علمی زبان نہیں ہے اُس قوم کو کوئی تعلیم یافتہ نہیں کہہ سکتا ہندوستان میں بھی یہ خرابی موجود ہے۔ بدقسمت ہندوستانیوں کی مادری زبان میں تکمیل علم کا کوئی ذریعہ موجود نہیں۔ اہل علم نے اپنی مادری زبان کی خدمت اِس سبب سے چھوڑ دی کہ لوگ دوسری زبان کی تحصیل کی طرف متوجہ پائے گئے۔ ہندوستان کے علمار نے اگر تصنیف کی طرف رخ کیا جب بھی اُردو کو ایک مہمل زبان سمجھ کر چھوڑ دیا اور عربی میں اپنی تصنیف لکھی ہندوستان میں بھی اُردو زبان کسی وقعت کی نگاہ سے نہیں دیکھی جاتی۔ تو کیا یہ نتیجہ نکالنا غلط نہ ہوگا کہ اگر چند روز اُردو کی طرف سے یہی بے پروائی رہی تو تمام ہندوستان جہالت میں پڑا رہے گا۔

یہ تو ممکن نہیں کہ ہندوستانی سب کے سب اپنی مادری زبان کو چھوڑ کر کسی علمی

زبان کو اپنی مادری زبان بنالیں اور نہ تاریخ کوئی ایسی مثال پیش کر سکتی ہے
لہذا نتیجہ یہ ہوگا کہ جو لوگ علمی مذاق رکھتے ہوں اور اسقدر استطاعت رکھتے
ہوں وہ کوئی علمی زبان یا مذہبی علمی زبان حاصل کرلیں۔
باقی تمام قوم جہالت کی تاریکی میں پڑی رہے۔اس لیئے کہ مادری زبان میں
علم نہیں اور بغیر علم کے تمام ہندوستان جہالت کے قیدخانے سے چھوٹ نہیں سکتا
اس مصیبت سے چھٹانے کے لیئے ضرورت ہے کہ ملک کے بہی خواہ قومی
درد رکھنے والے اہل علم قلمی امداد کریں۔
مختلف علوم و فنون کا ترجمہ کریں اور اردو میں اُن خزانوں کو اٹھالائیں
جو دوسری زبانوں کو زینت دیچکے ہیں۔
اس میں شک نہیں کہ اس وقت عربی زبان۔انگلش زبان میں بیش بہا جواہرات
اور ہر قسم کے الوان نعمت موجود ہیں۔
اُردو ایک کم مایہ زبان ہے جس میں ترجمہ کرنے کے لیئے بھی کافی الفاظ نہیں
ملتے درحقیقت اُردو زبان اہل علم کی توجہ کی محتاج ہے۔
جن لوگوں کی مادری زبان علم کا خزانہ بنی ہوئی ہے اُن کو اس بات کی ضرورت
نہیں کہ وہ دوسری زبانوں کی طرف توجہ کریں۔
ہندوستان میں یہ خرابی کچھ کم نہیں ہے کہ اسکے عام لوگ علم سے خالی ہیں۔
زمانہ اسقدر مہلت نہیں دیتا کہ سب کے سب فکر معاش سے ہاتھ اٹھاکر مختلف زبانوں
کی تحصیل پر کمر باندھ لیں اور جہالت کے غار سے نکل کر علمی میدان میں قدم رکھیں۔
یہ تو اہل علم پر واجب ہے کہ مشرقی مغربی علوم سے نفس مطالب لیکر اُردو سے
ایسے رسالے تالیف کریں جن سے عام ہندوستانیوں کو فائدہ پہنچے اور اُن کی
زبان علمی وقعت پیدا کرے۔
بعض لوگ یہ شکایت کرتے ہیں کہ اُردو میں ابھی ایسے الفاظ نہیں ملتے جو
مغربی علوم کے نفس مطالب کا صحیح ترجمہ کرنے میں بکار آمد ہوں۔

میری رائے میں ایسے لوگ اُردو میں کما حقۂ قابلیت نہیں رکھتے کیونکہ اُردو کا دامن بہت وسیع ہے اور وہ کچھ ایسی کمزور نہیں ہے اور یہ شکایت ہر زبان میں موجود ہے کہ دوسری زبان کا ترجمہ کرنے میں کافی الفاظ نہیں ملتے۔ لیکن علمی زبان بنانے کا قاعدہ یہی ہے کہ دوسری زبان کے معلومات کو منتقل کر لیں۔ عربی زبان میں مستعار الفاظ کو دیکھو یہ الفاظ عربی نے خوشی سے نہیں قبول کیئے بلکہ تراجم کی ضرورت نے اس کو دوسری زبان کے مخصوص الفاظ لینے پر مجبور کر دیا۔

انگلش زبان میں جو لاطینی زبان کثرت سے شامل ہوئی اس کا سبب بھی تراجم کی ضرورت ہے۔ فرینچ زبان بھی اسی سبب سے انگریزی میں شامل ہوئی۔

تراجم ترقی اور توسیع زبان کے ذریعے ہیں ہر زبان علمی زبان ہونے کے بعد وسیع ہو جاتی ہے کیا ہم سب ہندوستانی اس بات کو خوشی سے نہیں چاہتے کہ ہم اپنی مادری زبان حاصل کرنے کے بعد عالم فاضل فقیہہ محدث۔ طبیب منطقی فلسفی بید و ودیارتھی۔ گیانی۔ ریاضی ہندسہ داں۔ مورخ۔ علم کلام علم نحو علم صرف علم اخلاق علم تصوف وغیرہ میں کامل ہو جائیں۔ اور ہم اپنی زبان حاصل کرنے کے بعد تعلیم یافتہ گریجویٹ بننے کے مستحق ہو جائیں۔ اسکی صورت یہی ہے کہ ہماری زبان علمی زبان بنائی جائے۔

یہ تعجب خیز بات نہیں ہے کہ تمام انگریز اپنی مادری زبان کا علم حاصل کرنے کے بعد تعلیم یافتہ گریجویٹ مہذب روشن خیال عالم فاضل بنجاتے ہیں۔

عرب اپنی مادری زبان حاصل کرنے کے بعد محدث عالم فقیہ مولوی فاضل طبیب منطقی فلسفی بنجاتے ہیں۔

اسی طرح تمام دنیا کی مہذب قومیں اپنی مادری زبان کو تمام علوم کا مخزن بنا چکی ہیں لیکن افسوس ہے کہ ہم ہندی ابھی تک اُسی خواب غفلت میں سو رہے ہیں۔ اور ہمارے ہر فرد پر یہ مصیبت ہے کہ وہ اپنی مادری زبان پڑھنے کے بعد جاہل کا جاہل رہتا ہے اور جبتک وہ دو چار غیر زبانوں کا مالک نہ بنجائے اُسوقت تک اُسکو تعلیم یافتہ

نہیں کہہ سکتے۔

اِس کا خاص سبب یہ ہے کہ ہماری مادری زبان علم کی برکت سے محروم ہے۔ پھر کیا ہم سب لوگوں پر یہ فرض نہیں ہے کہ سب سے پہلے سو کام چھوڑ کر اپنی قوم کو جہالت کی تاریکی سے نکالنے کی کوشش کریں۔

اِسکی صورت یہ ہے کہ ہندوستان کے مشہور تعلیم یافتہ نقد عالم مستند ڈاکٹر معتبر طبیب۔ فقیہ۔ محدث۔ مورخ۔ انگریزی عربی سنسکرت کے منتہی اپنی کوشش سے اُردو کو علمی زبان بنانے کی کوشش کریں۔

ورنہ تمام ہندوستانی اِسی طرح جہالت کی اندھیری کوٹھری میں گھٹ گھٹ کر مرجائیں گے۔ اور اُنکی بنیا ہی کے ساتھ ہی ہمارا بھی خاتمہ ہو جائیگا۔

خواجہ محمد عبد الرؤف
عشرت۔ لکھنوی

خمسہ

بر غزل اعلیحضرت فلک رفعت سکندر شوکت دارا حشمت فرزند دلپذیر دولت انگلشیہ حضور پُر نور سر نواب **محمد حامد علیخان صاحب بہادر** جی سی۔ آئی۔ ای دام اقبالہم وملکہم فرمانروائی دار السرور رامپور المتخلص نسیم به

از نتیجۂ فکر جناب محمد مصطفیٰ علیخاں صاحب شر پرائیوٹ سکرٹری

کوئی عالم میں تجھسا رہروِ راہِ رضا کیوں ہو — کوئی تجھسا خبردار رموز کبریا کیوں ہو
کوئی حاجت روا تیری طرح تیرے سوا کیوں ہو — خدائی بھر میں تجھسا یا علی مشکلکشا کیوں ہو
نرالا ثانی جہاں میں کوئی بھی نام خدا کیوں ہو
بجز میرے شہید ناز کوئی دوسرا کیوں ہو — جسے ہو جان پیاری وہ کرشموں پر فدا کیوں ہو

نگاہِ شوخ ہر اک کے لیئے تیرِ قضا کیوں ہو
تمھارا کشتۂ ابرو کوئی میرے سوا کیوں ہو
یہ رونا ہے کہ دشمن بسمل تیغِ ادا کیوں ہو

نظر آیا ہجوم یاس سا ہی آنکھیں اگر کھولیں
تمنائیں لہو کے آنسوؤں سے خوب ہی رولیں
کلیجہ منہ کو آیا ختم اپنی خواہشیں ہولیں
ہمارے خون سے جب ہاتھ دھوئے حسرتیں بولیں
یہی رنگیں کرے دستِ نگاریں کو حنا کیوں ہو

تمنا ہی رہے یوں ہی ہمارا دلبر با کم سن
خدا کا شکر ہے معشوق قسمت سے ملا کم سن
یہی ہوتا ہے ہوتے ہیں شرارت آشنا کم سن
ابھی ہیں شوخیوں کے دن وہ ہیں نام خدا کم سن
اداؤں میں ہے بیباکی ابھی شرم و حیا کیوں ہو

کہیں اچھا نہ ہو کچھ کام دل نکلے نہ منت سے
کہیں ایسا نہ ہو حیران ہوں حسن صورت سے
تجھے واقف کیئے دیتا ہوں اس کم سن کی عادت سے
اگر اے حسرت دل وصل میں پاس نزاکت سے
ترے ارمان رہ جائیں تو پھر مجھ سے گلا کیوں ہو

کہاں کرتے ہیں دعویٰ خون کا عشاق قاتل پر
ہر اک معشوق ڈھاتا ہی ستم ہر ایک مائل پر
بچے باقی نہ تیرا وار کوئی اپنے بسمل پر
پھرے خنجر گلے پر تیر غمزے کے چلیں دل پر
جفاؤں کے لیئے تیری ہمیں ہیں دوسرا کیوں ہو

ذرا سی بات میں اپنا مقدر بن کے پھر بگڑا
وہ آئے تھے یہاں مشکل سے اٹھا اک نیا فتنا
غضب آیا ستم ٹوٹا قیامت ہو گئی برپا
حیا سے سرنگوں وہ ہو گئے جب وصل میں پوچھا
خطا ہم سے ہوئی ہے کیا بتاؤ تو خفا کیوں ہو

جنوں جب سے ہوا ہے مجکو ان سرشار آنکھوں کا
کبھی آنسو نہیں تھمتا مری خونبار آنکھوں کا
نہ جائیگا کسی صورت سے یہ آزار آنکھوں کا
دل بیمار ہے بیمار ان بیمار آنکھوں کا
بھلا اسکی دوا کیا ہو بھلا اسکو شفا کیوں ہو

ثمر الفت کا پائیں گے ہمیں امید تھی اسکی
قلم سر ہو گیا یہ پھل ملا اچھی محبت تھی
دل ناشاد پر میرے چلی شمشیر ناکامی
کہاں کی آرزو جڑ کٹ گئی نخل تمنا کی
جو خود مایوس ہو اسکو کسی کا آسرا کیوں ہو

کسی کے بارِ احساں کا ہمارا دل نہیں خوگر لگا جائیں یہاں آ کر وہ پائے ناز سے ٹھوکر
اگر ایسا ہمارے بعد ہو جائے تو ہے بہتر الٰہی جذب اُلفت سے چلے آئیں وہ تربت پر
یہ خاکِ ناتواں منت کشِ بادِ صبا کیوں ہو

یہ نکلی ہیں تجھی پر مبتلا ہو کر کدھر جائیں کہاں انکا ٹھکانا ہے کہاں یہ اور جا ٹھیریں
ترے ہی حسن کی گرمی سے ساری ہے جلن انہیں بڑھاتی ہیں ترا گھونگر دلِ عشاق کی آہیں
انھیں سے برہمی آخر تجھے زلفِ دوتا کیوں ہو

جب آیا دل کسی پر زور اُس پر کب چلا اپنا ہزاروں بار ہنسنے دل لگا کر آزما دیکھا
کبھی تیور نہ بدلے راتدن جھیلے ستم کیا کیا محبت جب بسی دل میں تو پھر کیا ڈر مصائب کا
نہ اُٹھے گر یہ بارِ غم تو کوئی مبتلا کیوں ہو

محبت وہ بلا ہے جسکو سن کر دل دہل جائے نہ نکلے آہ گو سوزِ نہاں سے کوئی جل جائے
مزا جب ہے اگر وہ دل بھی تلووں سے مسل جائے زباں پر کچھ نہ آئے اور گھٹ کر دم نکلجائے
گلا کیوں ہو شکایت کیوں ہو آہِ نارسا کیوں ہو

مَیں پروانہ۔ وہ برقِ حسن شمع شوق افزا ہے جلانا اسکی عادت اُف نکرنا میرا شیوہ ہے
یہ عالم دیکھکر کیوں ساری دنیا کو اچنبھا ہے محبت ہو جو سچی صبر بھی اللہ دیتا ہے
وگرنہ جان دینے کا کسی کو حوصلا کیوں ہو

عنبر کی التجا پر اُسکی قسمت بن کے نڑتے ہیں خدا رکھے ابھی کمسن ہیں بے سمجھے اکڑتے ہیں
اگر اصرار کرتا ہوں تو لڑتے ہیں جھگڑتے ہیں سوالِ وصل پر ای رشک وہ کیا کیا بگڑتے ہیں
مگر اسکے سوا دل میں ہمارے مدعا کیوں ہو؟

رباعیات

ہے صبحِ بہار جلوہ افگن محروم باغِ جنت ہوا ہے گلشن محروم
یہ جوشِ بہار۔ یہ فورِ گل ہائے تو یاں سے چلا ہے خالی دامن محروم

دیگر

ہے ہے کیا دل نشیں ادائے گل ہے زینت بخشِ چمن فضائے گل ہے
کیا حسن ہے۔ کیا لطافت اللہ اللہ اے وائے کہ مختصر لقائے گل ہے

تلوک چند۔ محروم ڈیرہ اسمعیل خان

کمال دہلی

بابت ماہ مارچ سنہ ۱۹۱۰ء

مصرع طرح

عیسیٰ ہیں سیکڑوں کوئی بیمار بھی تو ہو

آخلاق - جناب سید اخلاق حسین صاحب دہلوی

فرقت میں کوئی مونس و غمخوار بھی تو ہو
دکھ درد کے بٹانے کو اک یار بھی تو ہو

کچھ التفات ابروئے خمدار بھی تو ہو
تیغ ادا کا دل پہ کوئی وار بھی تو ہو

زاہد مری طرح سے سیہ کار بھی تو ہو
مستوجب عنایت غفار بھی تو ہو

ملنے کا مجھ سے حشر میں اقرار بھی تو ہو
مر کر سہی مگر ترا دیدار بھی تو ہو

تیری عنایتوں سے فقط کام کیا چلے
کچھ مہربان چرخ ستمگار بھی تو ہو

جلوہ تو کوہ طور پر آجائے پھر نظر
موسیٰ سا کوئی طالب دیدار بھی تو ہو

افسانہ درد ہجر کا اُن کو سنا تو دوں
لیکن زباں میں طاقت گفتار بھی تو ہو

بر آئے اِسکے ساتھ جگر کی بھی آرزو
تیر نگاہ دل کے کہیں پار بھی تو ہو

دل کی نہ پوچھو ہم تو اسے بیچ ڈالتے
لیکن بقدر جنس خریدار بھی تو ہو

مُنہ پر نقاب ڈال کے آئے نہ چارہ گر
نسخے میں میرے شربت دیدار بھی تو ہو

زیبا نہیں ہیں عشق میں یہ بے نیازیاں
آنکھوں نہیں دل میں حسرت دیدار بھی تو ہو

تیغ ادا بہائے گی خون شہید ناز
ظالم کمر میں خنجر خونخوار بھی تو ہو

آواز سن کے ہوتا ہے اور اشتیاق دید / نظارۂ جمال رخ یار بھی تو ہو
زاہد نے مجکو بندۂ اصنام کہدیا / تہمت سے فائدہ کہیں زنار بھی تو ہو

اسد۔ جناب محمد علی صاحب تلمیذ نواب سراج الدین احمد صاحب سائل

پھر کچھ بیان تابش رخسار بھی تو ہو / مطلع پر ایک مطلع انوار بھی تو ہو
مشہور خلق میں وہ مسیحا ہوئے تو کیا / کوئی دوائے عاشق بیمار بھی تو ہو
اے ہمنشین یار کا گر غیر کیا عجب / پہلو میں گل کے ایک نہ اک خار بھی تو ہو
کی جائے اسکو یاد دہانی شام وصل / لیکن وہ خواب ناز سے بیدار بھی تو ہو
کس بات پر رقیب سے اتنے بگڑ گئے / بیٹھے ہو کیوں اداس کچھ اظہار بھی تو ہو
بے ابر لطف بادہ کشی خاک بھی نہیں / آ کر شریک رحمت غفار بھی تو ہو
رہتا ہے دل میں تیرا تصور اسی لیئے / فرقت میں کوئی مونس و غمخوار بھی تو ہو
امیدوار ہوں نگہ التفات کا / بیمار پر توجہ بیمار بھی تو ہو
دل انکو کوئی دے تو وہ یوں کہتے ہیں اسد / لینے کا لطف جب ہے کہ درکار بھی تو ہو

ایرج۔ جناب نواب شوکت علیخاں صاحب تلمیذ جناب رضواں

مقبول عرض عاشق ناچار بھی تو ہو / مسرور گاہ گاہ دل زار بھی تو ہو
جب ساتھ سو رہے ہو تو گھونگٹ ہٹائیے / اے جان عین وصل میں دیدار بھی تو ہو
تیرے خرام ناز کا دعویٰ کرے گی کیا / کبک دری کو یاد یہ رفتار بھی تو ہو
دل توڑنا نہ چاہیئے عاشق کا ایک بیک / غصے میں یار پیار کی گفتار بھی تو ہو
رندوں سے اب حجاب نہ فرماؤ شیخجی / میخانے میں تو آئے ہو میخوار بھی تو ہو
باہیں گلے میں ڈالکے بولے وہ ناز سے / گردن میں کوئی وصل کی شب ہار بھی تو ہو
جب درد ہی نہیں ہے تو درماں کی کیا تلاش / عیسیٰ ہیں سیکڑوں کوئی بیمار بھی تو ہو

اشک۔ جناب منشی نواب حسین صاحب ملازم حاجی عنایت اللہ احسان اللہ سوداگران

ہم نے تری ہزار جفاؤں پہ اف نہ کی / ہمسا جہاں میں کوئی وفادار بھی تو ہو
ہے خوب دل وہی جو ہے دردمند ہی / ہے خوب آنکھ وہ جو حیادار بھی تو ہو

دشمن سے ہو بگاڑ تو کیا اس سے فائدہ / اخلاق سے ہر ایک کا اقرار بھی تو ہو

دینے کو تیرے ہاتھ ہزاروں ہیں اے کریم — حق بات تو یہی ہے طلبگار بھی تو ہو
ظاہر ہوا اشک نے نرم حقیقت میں راز دل — جب لطف ہے کہ واقف اسرار بھی تو ہو

اعجاز - جناب ابوالاحسان منشی محمد عبدالقادر صاحب - از بھڑوچ

اس درجہ گرم عشق کا بازار بھی تو ہو — دل بیچتے ہیں - کوئی خریدار بھی تو ہو
مجھسا کسی کو عشق کا آزار بھی تو ہو — کوئی تمھاری آنکھوں کا بیمار بھی تو ہو
سفاک تیرے ہاتھ میں تلوار بھی تو ہو — لڑنا ہی ہم سے ہے تو کوئی وار بھی تو ہو
آہ شرر فشاں سے خبردار بھی تو ہو — تم مستئ شباب میں ہشیار بھی تو ہو
کیا خوب ناز اٹھاکے کوئی کیوں ہو منفعل — شرمندہ اپنے دل میں وہ عیار بھی تو ہو
وہ بے نیاز ہے یہ نہیں جانتا ہے کون — امیدوار عفو گنہگار بھی تو ہو
گلشن کا عزم ہو تو ہو رحمت کی آرزو — اک آدھ اس خیال کا میخوار بھی تو ہو
خون جگر میں ڈوب کے ہو جائے ایک رنگ — اتنا ملا جلا ترا سوفار بھی تو ہو
جب ہو نہ بات چیت تو وہ گالیاں ہی ہیں — ہمکو تو سب قبول ہے تکرار بھی تو ہو
کھٹکوں دل رقیب میں رہ رہ کے بار بار — اس لاغری میں کچھ خلش خار بھی تو ہو
ہیں تیرے وصل کے لئے مایوس کیوں رہیں — آساں نہیں نہیں سہی دشوار بھی تو ہو
مجھپر تو کیا تمھارا ہے دل پر بھی اختیار — مختار بھی تو ہو مرے سرکار بھی تو ہو
یہ بھی سہی کہ رہتے ہو فرقت میں بیقرار — اعجاز ایک سال سے بیمار بھی تو ہو

ادنیٰ - جناب محمد عوض صاحب بلند شہری تلمیذ جناب صوفی بلند شہری

دل کیا لگائیں دوستوں خوبان دہر سے — سب بیوفا ہیں کوئی وفادار بھی تو ہو
کسکو کہیں رفیق کسے سمجھیں ہم شفیق — سب مطلب آشنا ہیں کوئی یار بھی تو ہو
کس طرح ہمسری تری چرخ کہن کرے — تجھسا جفا شعار ستمگار بھی تو ہو

اختر - جناب مولانا ابوالمنور مظفر حسین صاحب رئیس اعظم سہسواں

انسان ہے تو محرم اسرار بھی تو ہو — قطرے میں جوش قلزم زخار بھی تو ہو
ہر جا ہے حسن یار طلب گار بھی تو ہو — کوئی جہاں میں طالب دیدار بھی تو ہو

کیا خاک چشم آبلہ پا بہائے خون
میداں وسیع وادیٔ پُرخار بھی تو ہو

ہے سرو کو جو قامتِ رعنا سے ہمسری
وہ دل فریب شوخیٔ رفتار بھی تو ہو

جب دردِ دل نہ ہو تو دوا کیا کرے کوئی
عیسیٰ ہیں سیکڑوں کوئی بیمار بھی تو ہو

یہ جب کہوں کہ چاند گہن سے نکل گیا
گیسو سے روئے یار نمودار بھی تو ہو

نکلے نہ نوکِ تیرِ مژہ کی دعا ہے یہ
دل میں کوئی کھٹکنے کو سوفار بھی تو ہو

آنکھیں برائے دید لگاؤں مگر مجھے
معلوم اُن کا روزنِ دیوار بھی تو ہو

برگشتگیٔ بخت کا اظہار جب کریں
وہ مستِ ناز خواب سے بیدار بھی تو ہو

مَیں دردِ دل سناؤں مگر ہمنشیں کسے
اختر کا کوئی مونس و غمخوار بھی تو ہو

بدر جناب شیخ بدرالدین صاحب اکبرآبادی تلمیذ جناب مہر اکبرآبادی

تسکین وحشی گلِ رخسار بھی تو ہو
صحرا کے متصل کوئی گلزار بھی تو ہو

پہلی سی اب وہ گرمیٔ بازار بھی تو ہو
یوسف بہت ہیں کوئی خریدار بھی تو ہو

پابندِ گیسوئے بتِ عیار بھی تو ہو
اے دل کبھی بلا میں گرفتار بھی تو ہو

پہلے کسیکو عشق کا آزار بھی تو ہو
عیسیٰ ہیں سیکڑوں کوئی بیمار بھی تو ہو

کسکو طبیب کسکو مسیحا بنائیں ہم
اچھا کسی سے عشق کا بیمار بھی تو ہو

کیونکر کہوں کہ کافرِ عشقِ بتاں ہوں میں
گردن میں میری رشتۂ زنار بھی تو ہو

چھایا ہوا ہے آج تو ساقی چمن پہ ابر
پھر سرور بادۂ گلنار بھی تو ہو

روتی ہے رات دن مری تربت پہ بیکسی
ایسا پسِ فنا کوئی غمخوار بھی تو ہو

پھاڑا جنوں میں ہم نے یہاں تک لباس کو
اتنا نہیں بدن پہ کوئی تار بھی تو ہو

اُنکی خرامِ ناز سے عالم ہے پائمال
ایسی کسیکی شوخیٔ رفتار بھی تو ہو

جاں دیکے ہمنے مول لیا ہے مکانِ قبر
ہمسا کوئی جہاں میں خریدار بھی تو ہو

دل کیا کہ اپنی جان بھی کردیں نثار ہم
اُنکی زبان سے وصل کا اقرار بھی تو ہو

جھڑتے ہیں بات بات میں شاخِ زباں سے پھول
یوں کوئی گلفشاں دمِ گفتار بھی تو ہو

وعدہ بھی مجھسے وصل کا ایجاب کیجئے
انکار جب زباں سے ہوا اقرار بھی تو ہو

بعد فنا بھی قبر میں آنکھیں کھلی رہیں	اس درجہ کوئی طالب دیدار بھی تو ہو
زلفوں کی یاد رخ کا تصور ہے رات دن	مجھ سا عزیز کافر و دیندار بھی تو ہو
کسکو سنائیں آہ درد شب غم کی داستاں	ہمدرد بھی تو ہو کوئی غمخوار بھی تو ہو

بیتاب - جناب سید محمد خیرات علی صاحب تلمیذ جناب ساز کالپی

مدت سے وصل یار کی امید تھی مجھے	اب آرزو یہ ہے کہیں دیدار بھی تو ہو

بشیر - جناب بشیر الرحمن صاحب دہلوی خلف مولوی امو جان صاحب دہلی

کرنے کو میرے قتل وہ تیار بھی تو ہو	یعنی کھنچی وہ ابروے خمدار بھی تو ہو
گردوں سے شرط باندھکے سویا ہے میرا بخت	اے نالہ صور بن کہ یہ بیدار بھی تو ہو
ماتھے پہ گاہ سینہ پہ اپنے رہا ہے ہاتھ	اے کاش اس گلے کا کبھی ہار بھی تو ہو
ہمسا ستم پسند ہی دل تم کو دے تو دے	دلدار ہو کے حیف دل آزار بھی تو ہو
فرقت میں دلربا کی بنا غم مری غذا	مجھ سا کوئی جہاں میں غمخوار بھی تو ہو
ظاہر کرو نہ وصل کا وعدہ یونہی سہی	انکار میں نہفتہ کچھ اقرار بھی تو ہو

بسمل - جناب مرزا بسم اللہ بیگ صاحب دہلوی

اسکے عطا و عفو کا حقدار بھی تو ہو	پہلے گناہ کر کے گنہگار بھی تو ہو
اشکال اس زمین میں بسمل نہیں مگر	کرتی ہے مشق شعر کو ہر بار بھی تو ہو

برق - جناب منیجر صاحب رسالہ شکوہ یار بجنور

دل را بدل رہینت دریں گنبد سپہر	یہ بات کیا ہے اس کا کچھ اظہار بھی تو ہو
اک عیب بھی ہے ساتھ اگر وصف ہے کوئی	مانا کہ دلربا ہو دل آزار بھی تو ہو
پہنچا جہاں خیال وہاں خود پہنچ گئے	ہم سا کوئی جہاں میں سبکسار بھی تو ہو
اے برق میرا ناز کا پالا ہوا ہے دل	دوں کسکو کوئی اس کا سزاوار بھی تو ہو

تسلیم - عالیجناب منشی محمد امیر اللہ صاحب لکھنوی یادگار جناب نسیم دہلوی

دل کی لگی کہوں کوئی غمخوار بھی تو ہو	دم بھر کے واسطے وہ مرا یار بھی تو ہو
رحمت ہے اسکی عام نہیں خاص ہے مگر	دنیا میں کوئی مجھ سا گنہگار بھی تو ہو

جورِ بتاں کا ایک زمانہ ہے دادخواہ / لیکن وہ روزِ حشر کا دربار بھی تو ہو

حاصل مجھے ہو قندِ مکرر کا کیا مزہ / اُنکی مری بہم کبھی تکرار بھی تو ہو

کیا ہم کسی سے رازِ حقیقت بیاں کریں / عرفانِ حق سے کوئی خبردار بھی تو ہو

کیوں بے کہے نہ تاڑ لو عاشق کا مدعا / تم فتنہ ہوشربا ہو عیار بھی تو ہو

بنتا ہی برہمن بتِ کافر کے عشق میں / اے شیخ تیری دوش پہ زنار بھی تو ہو

جلوہ کہاں نہیں ہے رخِ رشکِ ماہ کا / دنیا میں کوئی طالبِ دیدار بھی تو ہو

لایا ہی ایسے دشت میں جوشِ جنونِ عشق / سر کس سے پھوڑوں میں کوئی دیوار بھی تو ہو

یوسف جمال سیکڑوں بازارِ مصر میں / کوئی کسی کا مفت خریدار بھی تو ہو

یادِ بتاں سے کون ہی خالی جہان میں / ذکرِ خدا کرے کوئی بے کار بھی تو ہو

سنتا نہیں خدا کسی بیکس کی سب غلط / کوئی بتوں کے ظلم سے بیزار بھی تو ہو

ناصح بجا ہے آپ کا کہنا مگر ہے شرط / رندوں میں کوئی نام کو ہشیار بھی تو ہو

عاشق بنا ہی دوستی اپنی تمام عمر / لیکن کوئی حسین وفادار بھی تو ہو

پھر اور پر گمانِ غلط کیا کروں عبث / دل کے چرانے سے اُسے انکار بھی تو ہو

وعدہ خلاف کیا کہوں غیروں کے سامنے / عہدِ وفا سے یار کو اقرار بھی تو ہو

تسلیم چپ ہیں کس سے کہیں ہم فسونِ عشق / محفل میں کوئی محرمِ اسرار بھی تو ہو

حیراں - جناب محمد صادق صاحب دہلوی تلمیذ ابو المعظم نواب سراج الدین احمد خان صاحب سائل

تیری خوشی ہی شیخ تو پڑھلوں گا میں نماز / پیشِ رکوع و سجدہ درِ یار بھی تو ہو

معشوق پن کی آن ہو۔ بیدادگر کی شان / نازک کمر میں ہلکی سی تلوار بھی تو ہو

حیراں شبِ فراق کے صدمے سہے اجل / کیا بن رہی ہے دم پہ کچھ اظہار بھی تو ہو

حمید - جناب حافظ محمد عبد الحمید صاحب مرادآبادی تلمیذ جناب رضوان صاحب

عشقِ مجازی دل میں سمایا تو کیا ہوا / دل میں مرے غمِ شہِ ابرار بھی تو ہو

بے چین ہوں فراقِ شہِ دیں میں النجا! / اک دن وصالِ احمدِ مختار بھی تو ہو

اُمت نہ بھیجے آپ پہ کس طرح سے درود / مولیٰ ہو جان پناہ ہو غمخوار بھی تو ہو

خورشید۔ جناب قاضی غیاث الدین صاحب سکندرآبادی

وعدہ پہ ہاں کے ساتھ کچھ انکار بھی تو ہو
فرصت ہو جس میں شرط وہ اقرار بھی تو ہو

رنجش کی گفتگو میں ذرا پیار بھی تو ہو
لڑنے کے بعد صلح کا اظہار بھی تو ہو

پھیرے نگاہِ ناز ادھر وار بھی تو ہو
نوکِ سناں جگر کے ذرا پار بھی تو ہو

ناخوش ہو عاشقوں سے اکیلے ہے تو کیا
معشوق ہو تو کوئی طلب گار بھی تو ہو

تنہائی میں ہے نالہ و شیون سے ہمکو کام
قسمت میں رنج و غم ہوں تو غمخوار بھی تو ہو

ہنسکر مجھے رُلاؤ وہ میٹھی چھُری ہو تم
کیا دخل لب پہ تلخئ گفتار بھی تو ہو

رشک عدو کے رنج میں گذری تمام عمر
غم کی خوشی تو جب ہو غم یار بھی تو ہو

خلش۔ جناب جگیشر پرشاد صاحب مدروی تلمیذ جناب عشرت لکھنوی

یوں تو ہمارے دل میں ہزاروں ہیں ولولے
لیکن نصیب آپ کا دیدار بھی تو ہو

کہہ دوں کا اوصاف صاف ستمگر کی داستاں
محشر میں انکے سامنے اظہار بھی تو ہو

کہتے ہیں لوگ حشر بھی ہے مگر غلط
مجکو نصیب یار کا دیدار بھی تو ہو

کسکو سناؤں اپنی مصیبت کی داستاں
سننے کے واسطے کوئی تیار بھی تو ہو

دل کو ہدف بنائیں گے ہم فرطِ شوق میں
ناوک فگن خلش نگہ یار بھی تو ہو

خلیق۔ جناب منشی عبدالخالق صاحب دہلوی تلمیذ جناب سائل دہلوی

کہتے ہیں ہم پہ مرتی ہے دنیا تو کیا عجب
ایسا کوئی جہاں میں طرحدار بھی تو ہو

یہ تو تمھاری شانِ تلون سے ہی بعید
انکار وصل کر چکے اقرار بھی تو ہو

کیا جاؤں پیشِ داور محشر میں اے جنوں
باقی مرے کفن میں کوئی تار بھی تو ہو

کب تک رہینگی آپ کی یہ لنترانیاں
باتیں ہی باتیں ہوتی ہیں دیدار بھی تو ہو

دل میں ہی بیٹھ رہتا ہے رشک رقیب سا
سینہ سے کوئی تیر ترا پار بھی تو ہو

کس بات پر ہو داد طلب اے خلیق تم
کوئی غزل میں شعر مزے دار بھی تو ہو

ذاکر۔ جناب شیخ برکت اللہ صاحب دہلوی تلمیذ جناب شیدا دہلوی

عاشق کا بال بال گنہ گار بھی تو ہو
زلفِ پریشاں میں گرفتار بھی تو ہو

محروم یوں ہیں طالب دیدار سیکڑوں
دیکھیں کدھر سے رخنہ دیوار بھی تو ہو

یوں بات مان لیں وہ ہماری تو لطف کیا
اقرار کی اداؤں میں انکار بھی تو ہو

کہتے ہیں عشق میں بھی کامل نہیں ہو تم
آہیں ہیں لب پہ زردی رخسار بھی تو ہو

ظلم و ستم کے بانی ہیں بیشک بتان ہند
آزار دینے والوں میں دلدار بھی تو ہو

بچکر مری گلی سے جو نکلے تو فائدہ
وہ گھر میں آئیں۔ طالع بیدار بھی تو ہو

مانیں گے پارساؤں میں ذاکر کو یوں نہ ہم
مسجد کو جائیں جبّہ و دستار بھی تو ہو

رسا۔ جناب مولوی محمد حبا بخش صاحب وکیل عدالت و شاعر دربار رامپور

کرتا ہوں نذر قدر دل زار بھی تو ہو
کھوٹے کھرے کو چشم خریدار بھی تو ہو

یارب ترا اکرم ہے گنہ گار پر ضرور
لائق ترے کرم کے گنہ گار بھی تو ہو

کیونکر کہیں کسی سے محبت کا راز ہم
یہ داستان قابل اظہار بھی تو ہو

ان سے شکایت ستم ناروا عبث
دور اپنے دل سے لذت آزار بھی تو ہو

موجود میرا دل بھی ہے حاضر جگر بھی ہے
سیدھی کہیں ادھر نظر یار بھی تو ہو

ہم بھی فغاں سے باز نہ آئینگے اب کبھی
آزار دینے والوں کو آزار بھی تو ہو

کہتے ہیں لاکھ بار تصور میں آئیں ہم
کوئی ہمارا دل سے طلبگار بھی تو ہو

ہم سے تغافل اور کرم ہے رقیب پر
تم جتنے بے خبر ہو خبردار بھی تو ہو

بہر عیادت آئے وہ میری تو یہ کہا
دیکھیں کسی کو کیا کوئی بیمار بھی تو ہو

عذر وصال کرکے مجھے قتل کیجئے
انکار ہے تو ہاتھ میں تلوار بھی تو ہو

مدت ہوئی کہ سر کو جھکائے ہوئے ہیں ہم
قاتل ہمارے قتل پہ طیار بھی تو ہو

ممکن نہیں نہ راہ پر آئے وہ سنگدل
تاثیر تجھ میں آہ شرربار بھی تو ہو

تمکو کریں وہ قتل تو اچھا ہے ای رسا
جینے سے تنگ جان ہے بیزار بھی تو ہو

رحمت۔ جناب محمد رحمت اللہ صاحب بلند شہری تلمیذ جناب ناظر سکندرآبادی

وہ ہر جگہ ہے کوئی طلبگار بھی تو ہو
دیکھے جو اسکو واقف اسرار بھی تو ہو

ساقی ہے جام ناب بھی ہے مینا بھی ابر بھی
لیکن بغل میں کوئی طرحدار بھی تو ہو

آنکھیں کھلی ہوئیں ہیں مری بعد مرگ بھی
اِس طرح کوئی طالبِ دیدار بھی تو ہو

کیا وجہ مجھ سے آپ بگڑ بیٹھے خود بہ خود
کچھ بات بھی تو ہو کوئی تکرار بھی تو ہو

کیونکر نہ رکھوں اپنے جگر سے لگا کے میں
داغِ فراقِ یار سا غمخوار بھی تو ہو

محفل میں غیر کیوں نہ ہو اُس گلبدن کے پاس
جس شاخ میں ہو پھول وہاں خار بھی تو ہو

کہتے ہو تم کہ دل نہیں ملتا ہمیں ۔ غلط!
دل تو نثار کوئی طلب گار بھی تو ہو

سلیمان ۔ جناب منشی محمد حسین صاحب مرادآبادی تلمیذ جناب رضوان مرادآبادی

محشر بپا ہو ناز کی رفتار بھی تو ہو
فتنہ جو سو رہا ہے وہ بیدار بھی تو ہو

بلبل بھی چہچہاتے ہیں گل بھی ہیں خندہ زن
وہ مستِ ناز رونقِ گلزار بھی تو ہو

ای خضر تیرے آبِ بقا میں ہو تب مزہ
اُس میں کسی کا شربتِ دیدار بھی تو ہو

لختِ جگر ٹپکتے ہیں آنسو کی ہے کمی
ٹکڑوں میں لعل کے دُرِ شہوار بھی تو ہو

اے حضر تب ہے بادیہ پیمائی کا مزہ
چھالوں میں پاؤں کے خلشِ خار بھی تو ہو

کہتے ہیں وہ کہ قتل تمھیں کیوں نہ کیجئے
بوسہ لیا تھا تم نے گنہگار بھی تو ہو

جس دل میں درد ہی نہیں اُس کا علاج کیا
عیسیٰ ہیں سیکڑوں کوئی بیمار بھی تو ہو

لایا ہے شوق کھینچ کے بازارِ عشق میں
سر بیچتا ہوں میں وہ خریدار بھی تو ہو

لکھو مشاعرے کی سلیمان تم غزل
شاعر ہو خوش کلام ہو ۔ طرار بھی تو ہو

شبیر ۔ عالیجناب صاحبزادہ شبیر علیخاں صاحب بہادر خلف الرشید نواب صاحب بہادر خلد آشیان امروہہ

کہتے ہو جان سے کوئی بیزار بھی تو ہو
کوئی کسی کے قتل پہ تیار بھی تو ہو

دنیا میں دل ہیں سیکڑوں دلدار بھی تو ہو
سودے کی کیا کمی ہے خریدار بھی تو ہو

میری دوا ہو کیا کوئی آزار بھی تو ہو
عیسیٰ ہیں سیکڑوں کوئی بیمار بھی تو ہو

لاکھوں حسیں ہیں چشمِ زلیخا مگر نہیں
یوسف بہت ہیں مصر کا بازار بھی تو ہو

ترچھی نظر نے کسکو کیا قتل آج تک
تلوار نام کی ہے ۔ یہ تلوار بھی تو ہو

جلوہ ہزار بار نظر آئے طور پر
موسیٰ سا کوئی طالبِ دیدار بھی تو ہو

بے پردہ آپ بیٹھے ہیں پردہ کا نام ہے
جب جانیں بند روزنِ دیوار بھی تو ہو

پیدا ہو سُننے والا تو ہو درد دل بیاں
میں حالِ غم کہوں کوئی غمخوار بھی تو ہو

جب تک خلش نہ ہو تو مزا کیا ہے عشق کا
چُبھتا ہوا سا دل میں کوئی خار بھی تو ہو

دیوانہ دیکھکر مجھے ناصح نے کہدیا
سمجھاؤں میں کسے کوئی ہشیار بھی تو ہو

رونے پہ میرے کیوں نہ ہنسیں شمع بزمنشیں
انکو یہ اضطراب یہ آزار بھی تو ہو

کیا جانے غیر درد محبت کی لذتیں
کمبخت کو نصیب یہ آزار بھی تو ہو

بیکار دل کے دینے کی شرطوں پہ ہو خفا
انکار کب کیا ہی جب انکار بھی تو ہو

شبیر اُس کا نام غفور الرحیم ہے
اُمیدوار رحم گنہ گار بھی تو ہو

شائق - جناب بابو رام سہائے صاحب از سنگی گلی آگرہ تلمیذ جناب شیدا دہلوی

دلکو بتوں کے عشق کا آزار بھی تو ہو
عیسیٰ ہیں سیکڑوں کوئی بیمار بھی تو ہو

وہ بخش دیگا کوئی گنہگار بھی تو ہو
رحمت کا اُس کی کوئی سزاوار بھی تو ہو

بیجا ہے انکی ابروے خمدار کا گلہ
عاشق کے قتل کو کوئی تلوار بھی تو ہو

ہم سر جھکائے بیٹھے ہیں جھگڑا چکے کہیں
تیغ نظر کا یار کوئی وار بھی تو ہو

کانوں سے تو سُنی ہے ہمیشہ صدائے یار
آنکھوں کو آرزو ہے کہ دیدار بھی تو ہو

دل لیلیا ہے جان بھی حاضر ہے لیجئے
تم میری جان و مال کے مختار بھی تو ہو

وہ جور و ظلم کرتے ہیں ہم جان و دل نثار
سفاک اُن سا ہم سا وفادار بھی تو ہو

بازار حسن و عشق میں شائق کی ہے صدا
دل بیچتے ہیں کوئی خریدار بھی تو ہو

شمیم - جناب بابو چھیتر مل صاحب بھر تپوری تلمیذ جناب شیدا دہلوی

محوِ خیالِ چشم فسونکار بھی تو ہو
دل کو سرور بادۂ گلنار بھی تو ہو

رہ رہ کے یادِ ابروے خمدار بھی تو ہو
کانٹا جگر کا خنجر خونخوار بھی تو ہو

دل کا بقدر جنس خریدار بھی تو ہو
جیسا ہے مال ویسا طلبگار بھی تو ہو

کامل ہیں دونوں اپنی عطا و خطا میں آج
تجھسا غفور مجھسا گنہگار بھی تو ہو

دل جلوہ گاہ طور بنے ہر نظر کے ساتھ
موسیٰ کی طرح طالب دیدار بھی تو ہو

گردن جھکائے بیٹھے ہیں تلوار کھینچئے
قاتل یونہی بنے ہو کوئی وار بھی تو ہو

محشر بپا کرے گا جوانی میں دیکھنا　　اعجازِ حسن سے وہ خبردار بھی تو ہو
کعبہ سے لوٹ آئیں ابھی شیخ و مجتہد　　حسنِ بتاں کی گرمیٔ بازار بھی تو ہو
راحت کبھی کسی کی گوارا نہیں اسے　　پیرِ فلک سا کوئی ستمگار بھی تو ہو
ہاں جھوٹ موٹ ہی سہی بندھ جائے کچھ امید　　انکار لاکھ بار ہے اقرار بھی تو ہو
برباد کیوں ابھی سے غبارِ شمیم ہے　　زلفِ پریشاں میں گرفتار بھی تو ہو

شاطر۔ جناب لیلی رام صاحب سب انسپکٹر آف ورکس خوشحال گڈھ

آمادہ قتل پر وہ ستمگار بھی تو ہو　　سر بیچتا ہوں کوئی خریدار بھی تو ہو
کیا لطف ہو جو قتل کرو منہ چھپا کے تم　　ہم یہ کہیں کہ آخری دیدار بھی تو ہو
ناصح اٹھا مزے تو کسی سے لگا کے دل　　الفت کے دام میں تو گرفتار بھی تو ہو

صبر۔ جناب محمد اسمٰعیل خانصاحب رامپوری ملقب[*] بہ بلبل تسلیم تلمیذ جناب تسلیم

ساغر ہے۔ مے ہے۔ شیشہ ہے۔ گلزار بھی تو ہو　　جب لطفِ میکشی ہے کہ وہ یار بھی تو ہو
یوں پوچھنے کو پوچھتے ہیں حال سیکڑوں　　کسکو بتاؤں میں کوئی غمخوار بھی تو ہو
کیوں جاؤں لیکے دل سرِ بازار مہوشاں　　یوسف کا میرے کوئی خریدار بھی تو ہو
سوتا رہا نصیب نہ جاگا بہت کہا　　دو دن کیواسطے کبھی بیدار بھی تو ہو
مدت سے سن رہے ہیں یونہی لن ترانیاں　　مانا نہ تاب لائیں گے دیدار بھی تو ہو
جیتا رہوں نہ کس لیے اپنی امید پر　　اقرارِ وصل سے انھیں انکار بھی تو ہو
سب دیکھتے ہیں جلوۂ شانِ خدا کو شیخ　　عشقِ بتاں سے کوئی گنہگار بھی تو ہو
عذرِ جفا کے بعد یہ کیا ہنسکے کہہ دیا　　کس سے نباہیں کوئی وفادار بھی تو ہو
جب خود نہ آسکے تو مجھے کر لیا طلب　　اک سہل بات ہے کوئی دشوار بھی تو ہو
اس طرح روئدادِ جفا کیا کہوں خدا　　جب ہو مزہ کہ وہ بتِ عیار بھی تو ہو
ای دل تری خطائیں ہیں تیرے قصور ہیں　　کیوں میں ستم کہوں وہ ستمگار بھی تو ہو
اللہ نے دیا ہے جو حسنِ جہاں فروز　　اب دلفریب خوبیٔ گفتار بھی تو ہو
ناحق وہ کہتے ہیں کہ مسیحا نہیں ہوئیں　　اچھے کا اپنے کوئی طلب گار بھی تو ہو

[*] جناب صبر کو حضرت تسلیم نے ایک خاص مجمع شعرا میں ہمارے روبرو یہ لقب عطا فرمایا جسکو ہم حسب ارشاد جناب موصوف درج کرتے ہیں اور صبر صاحب کو مبارکباد دیتے ہیں۔ (ایڈیٹر)

جب میں نے پوچھا غیر کا کیا کام ہے گھر
فرمایا گل جہاں ہو وہاں خار بھی تو ہو

مقتل میں تیغ باندھ کے آئے ہو کسلیئے
جانباز سیکڑوں ہیں کوئی وار بھی تو ہو

او حشر ڈھانے والے قیامت میں فتنہ گر
دل چھیننے کو مائل رفتار بھی تو ہو

ای صبر اب بھی سیکڑوں ہیں صاحب کمال
لیکن ہنر کا کوئی طلب گار بھی تو ہو

طالب - جناب جان محمد صاحب از لاہور - بازار انارکلی

ابرو کی جنبشوں کا کوئی وار بھی تو ہو
عاشق کے قتل کرنے کو تلوار بھی تو ہو

فرہاد و قیس آج بھی ہو جائیں سیکڑوں
الفت کے نشہ میں کوئی سرشار بھی تو ہو

دوزخ امان مانگتی ہے مجھ سے بار بار
مجھ سا جناب کوئی گنہ گار بھی تو ہو

طالب - جناب محمد عبدالرحمن صاحب رامپوری - تلمیذ جناب رسا

تقصیر کر کے پہلے خطاوار بھی تو ہو
رحمت کا کوئی اُسکی طلب گار بھی تو ہو

کیونکر نہ دم تمھاری محبت کا ہم بھریں
معشوق کوئی تم سا طرح دار بھی تو ہو

جب حال دل سنا تو ستمگر نے یہ کہا
حالت سے تیری کوئی خبردار بھی تو ہو

ٹھکرا کے میری قبر کو یہ ناز سے کہا
کب تک رہے گا خواب میں بیدار بھی تو ہو

دل سے عزیز کیوں نہ رکھوں اُنکے درد کو
کوئی شب فراق میں غمخوار بھی تو ہو

تیغ نظر سے قتل تو کرتے ہو تم مگر
جب لطف ہے کہ ہاتھ میں تلوار بھی تو ہو

رحمت کو تیری ناز ہے میرے قصور پر
اللہ کوئی ایسا گنہ گار بھی تو ہو

عاصی - جناب محمد صدیق صاحب دہلوی - تلمیذ جناب رونق دہلوی

پیدا جہاں میں عشق کا آزار بھی تو ہو
عیسیٰ ہیں سیکڑوں کوئی بیمار بھی تو ہو

پہنے ہیں پائے ناز میں جھانجن تو آپنے
محشر بپا ہو جس سے وہ جھنکار بھی تو ہو

ای جان سوال وصل پہ سنکیں ہو جب مجھے
انکار گر ہے لب پہ تو اقرار بھی تو ہو

پینے کا لطف ساقیا جب ہے بہار میں
گلشن بھی ہو گھٹا بھی ہے وہ یار بھی تو ہو

قصہ شب فراق کا کسکو سنائیں ہم
دشمن ہیں سب کے سب کوئی غمخوار بھی تو ہو

عاصی - جناب منشی محمد یحییٰ علی صاحب کاکوروی ڈگری نویس مرادآباد

دل آپ کو نہ دوں تو بھلا اور کسکو دوں
ایسا کوئی حسین طرحدار بھی تو ہو

ٹکرا کے سر مکاں کو بیاباں بنا دیا
آخر کس سے پھوڑیں سر در و دیوار بھی تو ہو

کیونکر ڈرے نہ مجھ سے بلائے شب فراق
مجھسا سیاہ بخت و سیہ کار بھی تو ہو

دل لیجئے میں شوق سے دیتا ہوں آپکو
اک بوسے کا زبان سے اقرار بھی تو ہو

سرمہ لگا کے کیجئے تیغ نگہ سے قتل
ہتھیار تو جبھی ہے کہ کچھ دھار بھی تو ہو

کلیم۔ جناب حفظ الکبیر صاحب ڈرامیٹسٹ۔ از بھوپال

قصہ سنائیں کیا لب اظہار بھی تو ہو
اپنا جہان میں کوئی غمخوار بھی تو ہو

ہر چند ہے نگاہ کرم میرے حال پر
ملتے ہو دشمنوں سے خطاوار بھی تو ہو

میں سخت جاں نہیں ہوں کیا خوف ہے نہیں
خنجر تُلا ہوا ہے۔ مگر وار بھی تو ہو

آئی بہار چھائی گھٹا میکشوں چلو
ایسے میں گرم خانۂ خمار بھی تو ہو

کاشف جناب منشی محمد کاشف صاحب ڈرامیٹسٹ۔ تلمیذ جناب وجاہت صاحب

اک روز مجھ سے کام کی گفتار بھی تو ہو
انکار کرتے رہتے ہو اقرار بھی تو ہو

شوریدہ سر ہی قیس وہاں کیا رہیگا وہ
سر پھوڑنے کو دشت میں دیوار بھی تو ہو

ہر مُنہ سے بول اُٹھنے کو تصویر یار کی
نقشِ نفیسی اس میں خوبیٔ گفتار بھی تو ہو

جلوہ دکھانے میں نہیں کچھ عذر یار کو
موسیٰ سا کوئی طالب دیدار بھی تو ہو

عشق بتاں میں شیخ ہے کافر برائے نام
قشقہ جبیں پہ دوش پہ زنار بھی تو ہو

میں کیا کہوں خدا کی خدائی ہے منحرف
محشر میں کوئی میرا طرفدار بھی تو ہو

کاشف کے ہاتھ ڈال لو گردن میں اپنی تم
ہو نازنیں گلے میں کوئی ہار بھی تو ہو

کمال جناب حکیم سید محمد مہدی صاحب لکھنوی خلف الرشید و جانشین حضرت جلال لکھنوی

زخموں میں یاد جلوۂ رخسار بھی تو ہو
گلزار میں کھلا ہوا گلزار بھی تو ہو

دل میں خیال ابروئے خمدار بھی تو ہو
در پردہ اپنے ہاتھ میں تلوار بھی تو ہو

بگڑے کسی سے وصل میں تکرار بھی تو ہو
اقرار ہو چکے ہیں کچھ انکار بھی تو ہو

دو چار آرزوئیں کہیں دل کی کس طرح
اپنی نگاہ اُن سے کبھی چار بھی تو ہو

خود کھینچ کے مجکو ذبح کرے دیکھنا ہو نہیں
جو میری آرزو ہے وہ تلوار بھی تو ہو

اے دشتِ آرزو تجھے دامن تو مل گیا
الجھے گا کون اِس سے کوئی خار بھی تو ہو

پی پیکے جام بیخود و غافل نہ ہو سراک
ساقی کے دَور میں کوئی ہشیار بھی تو ہو

اُٹھ اُٹھ کے پوچھتا ہے طبیعت بہلائے دل
فرقت میں درد سا کوئی غمخوار بھی تو ہو

تیری کشیدگی مجھے وحشت میں یاد ہے
سر پھوڑنے کو سایۂ دیوار بھی تو ہو

مطلوب بن کے اپنا طلب گار کر لیا
ایسا کوئی کسی کا طلب گار بھی تو ہو

چھوٹے ہوئے پہ ہم سے تعلق ہے یہ تمھیں
آزادی نہیں ہو گرفتار بھی تو ہو

اُٹھ اُٹھ کے راہ میں نہ قیامت ہو پائمال
سنبھلی ہوئی کبھی تری رفتار بھی تو ہو

کس پر گراؤں برق تجلی میں ناز سے
کہتے ہیں کوئی طالب دیدار بھی تو ہو

اُس چشم نیمخواب نے افشا کیا یہ راز
سونے کی یہ صنعت ہے کہ بیدار بھی تو ہو

دامن کشی کا قصد ہو کیا وصل میں کمال
دستِ ہوس کا کوئی مددگار بھی تو ہو

کاوش - جناب محمد شاہ خانصاحب رامپوری تلمیذ حضرت جلال لکھنوی نوراللہ مرقدہ

دل اُٹھ کے محو جلوۂ رخسار بھی تو ہو
سویا تمام رات ہے بیدار بھی تو ہو

کیونکر نہ توڑ توڑ کے اس کو بنائیں ہم
مضبوط کچھ خیال کی دیوار بھی تو ہو

پھر رنگ تو دکھائے مری صبح آرزو
بختِ سیہ سے ملکے شب تار بھی تو ہو

ارمان دل کے ایک اشارے میں قتل ہو
ترچھی نگاہ آپ کی تلوار بھی تو ہو

ارمان ہوں جو دل میں تو ہو یاس کا گزر
ہوں پھول جس جگہ خلشِ خار بھی تو ہو

جو دلمیں رنجشیں ہیں بدلجائیں لطف سے
جو ہے جفا پسند وہ غمخوار بھی تو ہو

کاوش خدا کے سامنے رونیکو شرم سے
اعمالِ بد کے ساتھ گنہگار بھی تو ہو

قیس - جناب ہدایت اللہ صاحب دہلوی تلمیذ جناب سائل صاحب دہلوی

میری طرح رقیب وفادار بھی تو ہو
یاری کی اس میں شان ہو وہ یار بھی تو ہو

پاؤں کے آبلے میں کوئی خار بھی تو ہو
قسمت میں اِسکی لذتِ آزار بھی تو ہو

پینے کو جب ملیگی تو دل بھی رہیگا خوش
جنت میں ایک خانۂ خمار بھی تو ہو

سنکر سوالِ وصل کا انکار تنو کیئے
بھولے سے ایک مرتبہ اقرار بھی تو ہو

جنگل ہیں لیکے آئی ہے وحشت مجھے تو کیا
سر پھوڑنے کو چاہیئے دیوار بھی تو ہو

دکھ درد کو سمجھتے ہیں بیدرد کب مرض
بیمار کو وہ کہتے ہیں بیمار بھی تو ہو

لیجاؤں دل کو بیچنے بازار مصر میں
یوسف جمال کوئی خریدار بھی تو ہو

ملنے کا وعدہ کرلیا میں مطمئن ہوا
تاہم کب آپ آئیں گے اقرار بھی تو ہو

دیوانگی پہ قیس کی آتا نہیں ترس
سب ہیں بنی کے بگڑی کا اک یار بھی تو ہو

قمر۔ جناب شیخ محمد شریف صاحب ڈرافسمین بٹالوی تلمیذ جناب سازؔ رامپوری

دل بیچتے ہیں کوئی خریدار بھی تو ہو
اس مال کا جہاں میں طلبگار بھی تو ہو

پھنس جائے اس کا دل بھی ہماری طرح کہیں
الفت کے راز سے وہ خبردار بھی تو ہو

کیوں آج ہے حجاب میری جان شبِ وصال
الٹو ذرا نقاب کہ دیدار بھی تو ہو

غش آگیا تھا حضرتِ موسیٰ کو طور پر
ایسی کسیکو حسرتِ دیدار بھی تو ہو

مبہوت بن گیا ہوں دیکھکے اس بت کی شکل کو
اب کیا کہوں کہ طاقتِ گفتار بھی تو ہو

کسکو ستانے آیا ہے اب اے قمر وہ شوخ
تربت کا میری اب کوئی آثار بھی تو ہو

قنبر۔ جناب حکیم قنبر صاحب احمد آبادی

جانباز زیرِ خنجرِ خونخوار بھی تو ہو
عاشق کو عشقِ ابروے خمدار بھی تو ہو

تم ان نزاکتوں سے مجھے کیا کروگے قتل
قبضہ میں ہاتھ ہاتھ میں تلوار بھی تو ہو

برقِ جمال دیکھنے کی تاب چاہیے
موسیٰ کی طرح طالبِ دیدار بھی تو ہو

رحمت خدا کی حشر میں کہتی ہے چار سُو
بخشش کا خواستگار گنہگار بھی تو ہو

در پردہ بت پرستی کسی کام کی نہیں
قشقہ جبیں پہ دوش پہ زنار بھی تو ہو

فتنے قدم قدم پہ رہیں لوٹتے ہوئے
اے حشر۔ امتیاز۔ یہ رفتار بھی تو ہو

یوں اوپری دلوں تو ہوئی ہے نہ ہوگی چاہ
الفت بھی ہو نباہ بھی ہو پیار بھی تو ہو

قنبر چھپائے سے بھی جو ہو جائے آفتاب
یوں دلمیں عشقِ حیدرِ کرار بھی تو ہو

قتیل۔ جناب مرزا محمود بیگ صاحب حروف ساز دہلی

پورا کسیکو عشق کا آزار بھی تو ہو
عیسیٰ ہیں سیکڑوں کوئی بیمار بھی تو ہو

پردہ نشیں ندیدہ ہوں مدت سے دید کا
تو بے نقاب سامنے اکبار بھی تو ہو

ای شیخ کیوں میں دلکو لگاؤں بجز حبیب
جنت میں کوئی ایسا طرحدار بھی تو ہو

ہر ہر قدم پہ فتنۂ محشر بپا کرے
ایسی کسیکی چلبلی رفتار بھی تو ہو

میرا ہی دل ملا ہی جلانیکو اک تمھیں
کشتہ مری طرح کوئی اغیار بھی تو ہو

سائل تمھارے وصل کا مدت سے تھا قتیل
بیباک مجھسا دیکھو طلب گار بھی تو ہو

قسطاس ۔ جناب حکیم سید علی الکریم سلمہٗ عرف حکیم عبد الکریم تلمیذ جناب رضوان

محو بہار عارض دلدار بھی تو ہو
مدہوش چشم ساقی سرشار بھی تو ہو

پیکر شراب عشق کو سرشار بھی تو ہو
پیر مغاں کا دل سے پرستار بھی تو ہو

منزل کو طے کرے وہ یہ رفتار بھی تو ہو
لے شوق تیز تر ترا رہوار بھی تو ہو

ترک تعلقات کا پھر نام لیجیو
اپنے پرائے سے ذرا بیزار بھی تو ہو

تیر نگاہ یار پہ دونوں ہیں لوٹ پوٹ
اس دل سے اس جگر سے کہیں پار بھی تو ہو

رہتے ہیں یوں تو ہجر میں عاشق ہزارہا
لیکن مری طرح کوئی خونبار بھی تو ہو

تکیہ کلام جس کا انا الحق ہو دوستو!
منصور کی طرح وہ سر دار بھی تو ہو

رہتی ہے یہ تصور جاناں سے گفتگو
اس دردمند کا کوئی غمخوار بھی تو ہو

ہو جو دل میں کیسے جگہ دوں میں غیر کو
معشوق کوئی تجھ سا طرحدار بھی تو ہو

پھرتے ہیں تیری آنکھوں کے متوالے سیکڑوں
سرشار مجھ سا پر کوئی میخوار بھی تو ہو

جانیسے گھر میں غیر کے روکوں میں کس طرح
قابو میں اپنے وہ بت عیار بھی تو ہو

ٹھانی ہے دلمیں بھیجدوں دہلی کو یہ غزل
جنس نفیس رونق بازار بھی تو ہو

قسطاس کس سے میں کہوں حال دل حزیں
اس دردمند کا کوئی غمخوار بھی تو ہو

مجرم ۔ جناب محمد ذکریا صاحب دہلوی ۔ تلمیذ جناب رونق صاحب دہلوی

ایجاں سوال وصل پہ بس ہو چکی نہیں
انکار بار بار ہے اقرار بھی تو ہو

مانا ہزار تم سے جفا کار ہیں مگر
مجھ سا جہاں میں کوئی وفادار بھی تو ہو

قاتل تہیہ قتل کا تو نے کیا ہے گر
خنجر کمر میں ہاتھ میں تلوار بھی تو ہو

دل تو ہزار دیتے ہیں بازار حسن میں
ہم جان بیچتے ہیں خریدار بھی تو ہو

الفت کی آرزو تو بہت ہی ہمیں مگر
کس سے لگائیں دل کوئی دلدار بھی تو ہو

دیکھینگے ترچھی نگاہوں سے کب تک آپ
تیر نظر جگر کے کہیں پار بھی تو ہو

کیونکر نہ عفو جرم کی ہر دم ہو پھر طلب
مجرم سے بڑھکے کوئی گنہگار بھی تو ہو

محروم - جناب منشی تلوک چند صاحب از ڈیرہ اسمٰعیلخاں

لاکھوں ہیں دلربا کوئی دلدار بھی تو ہو
غم دیکھئے بہت کوئی غمخوار بھی تو ہو

فریاد میں تو میں مرے زخم جگر کریں
اس بزم میں اجازت گفتار بھی تو ہو

قسمیں نہ بار بار دلائیں تو کیا کریں
اقرار سا کوئی ترا اقرار بھی تو ہو

افسوس ہے کہ ساتھ تمہارے نہ میں ہوں
موجود گل جہاں ہے وہاں خار بھی تو ہو

محروم لاجواب ہے یہ مصرعہ امیر
عیسٰی ہیں سیکڑوں کوئی بیمار بھی تو ہو

مشتاق - جناب محمد مرزا صاحب دہلوی - تلمیذ جناب بدر اکبرآبادی

دل محو عشق کاکل دلدار بھی تو ہو
مہمان تیرے گھر میں شب تار بھی تو ہو

پھیرا نہ منہ تجلی پروردگار سے
موسٰی سا کوئی طالب دیدار بھی تو ہو

موتی بہائے گوہر دنداں کی یاد میں
ایسی کسی کی چشم گہربار بھی تو ہو

جس سے ملائی آنکھ اسے اپنا کرلیا
خوش چشم کوئی تجھ سا فسونکار بھی تو ہو

لائے ازل سے داغ جگر اپنے ساتھ ہم
ہم سا کوئی جہاں میں زردار بھی تو ہو

اکدن انھیں کبھی نہ کبھی آئیگا خیال
مشتاق ان سے وصل کا اظہار بھی تو ہو

مشتاق - جناب ابو اللطف محمد عبد اللطیف خانصاحب تلمیذ حضرت رسا

گردن جھکائیں تو سہی تلوار بھی تو ہو
کشتوں میں ہوں شمار کہیں وار بھی تو ہو

وہ ہوں تو ساتھ غیر سیہ کار بھی تو ہو
گل ہو تو ہے ضرور کوئی خار بھی تو ہو

کہتا ہے میفروش کہ کیونکر ہو اعتبار
سر پر تمہارے شیخ جی دستار بھی تو ہو

کیا فائدہ جو آیا بھی ادھر سے ادھر رہا
تیر نظر جگر کے مرے پار بھی تو ہو

زاہد خدا کے واسطے ہم کو نہ کھینچ ساتھ
مسجد کے پاس خانۂ خمار بھی تو ہو

مشتاق! کیا ہے؟ اگر کہی اب کے غزل خراب
کچھ بات فکر کی نہیں بیمار بھی تو ہو

نادر۔ جناب حافظ محمد اسحٰق صاحب دہلوی۔ تلمیذ جناب سائل صاحب دہلوی

جنس گراں کا کوئی خریدار بھی تو ہو
یوسف اگر ہو گرمیٔ بازار بھی تو ہو

دشمن کو ساتھ لا کے جتاتے ہیں یہ مجھے
گل کے قریب چاہیئے اک خار بھی تو ہو

افواہ عام کا نہیں کچھ دل کو اعتبار
سنتے ہیں جس کی دھوم وہ دیدار بھی تو ہو

بارش کے ساتھ برق کا ہونا ضرور ہے
اشکوں کے ساتھ آہِ شرربار بھی تو ہو

یہ کیا؟ جھلک دکھائی ہی منہ کو چھپا لیا
جلوے کی طرح جلوۂ دیدار بھی تو ہو

ہشیار کر کے سامنے تشریف لائیے
مشتاقِ دید۔ دید کو تیار بھی تو ہو

ہوتی ہے پوچھ کچھ مری ہنگام جورِ ظلم
میری طرح سے پرسشِ اغیار بھی تو ہو

اک طرفہ فیصلہ تو ہے انصاف کے خلاف
ہو مدعی جو پیش خطاوار بھی تو ہو

بے التفات کہتا ہے نادر عبث ہم انھیں
مطلب کا اپنے منہ سے طلبگار بھی تو ہو

نثار۔ جناب سید مسعود صاحب دہلوی تلمیذ جناب قمر صاحب بدایونی

بے لطفیوں میں لطف کا اظہار بھی تو ہو
ہر وقت ہے بگاڑ کبھی پیار بھی تو ہو

مقتل میں ہیں کوئی سر سے سبکبار بھی تو ہو
خنجر تمھارے ہاتھ میں ہے وار بھی تو ہو

اس سے کہوں میں حالِ دلِ زار کس طرح
مجھ ناتواں میں طاقتِ گفتار بھی تو ہو

ہم تو خوشی سے ناز اٹھائیں ستم سہیں
لیکن کوئی حسین طرحدار بھی تو ہو

ہو جائیگی کبھی نہ کبھی دید بھی نصیب
اے چشمِ شوق طالبِ دیدار بھی تو ہو

مجھ پر ہی کیوں نزولِ بلا عمر بھر رہے
شامِ فراق حصۂ اغیار بھی تو ہو

سفاک میرا خون بہانے کے واسطے
ترکش میں تیر ہاتھ میں تلوار بھی تو ہو

صورت ہے دلفریب تو آنکھیں ہیں سحر فن
تم دلبری کے ساتھ فسونکار بھی تو ہو

ممکن ہے عفو جرم کی تدبیر بھی۔ مگر
دل میں امیدِ رحمتِ غفار بھی تو ہو

یہ کیا کہ دیکھتے ہو کن انکھیوں سے ہر گھڑی
تیرِ نگاہ دل سے کبھی پار بھی تو ہو

رضوانؔ عالیجناب محمود دختر نواب حاجی محمد رضوان علیخاں صاحب رئیس مرادآباد و یادگار مرزا غالب

درماں ہزار ہا ہیں کچھ آزار بھی تو ہو
عیسیٰ ہیں سیکڑوں کوئی بیمار بھی تو ہو

ساقی بھی ہے چمن بھی ہے۔ کالی گھٹا بھی ہے
تب لطف میکشی ہے وہ میخوار بھی تو ہو

ہنگامہ گرم طور و تجلّی کا ہے ہنوز
موسیٰ کی طرح طالبِ دیدار بھی تو ہو

کچھ ہم بھی اُس سے لذّتِ نظارہ پوچھتے
بیخود جمالِ یار کا ہشیار بھی تو ہو

دل میں ہے گھر رقیب کا کردوں جلا کے خاک
نالوں کے ساتھ آہِ شرربار بھی تو ہو

زخموں میں یار پیس کے بھرتا تو ہے نمک
تھوڑا سا اُس میں سودۂ زنگار بھی تو ہو

ہم امتحان آبلہ پائی کا دیں ابھی
راہِ طلب میں وادیٔ پُرخار بھی تو ہو

جاری ہیں اشک سیکڑوں لختِ دل نہیں
اِس قافلہ کا قافلہ سالار بھی تو ہو

راہِ طلب جو طے ہو ملے آستانِ یار
آسان ہماری منزلِ دشوار بھی تو ہو

ہیں مستحقِ رحمتِ حق اہلِ معصیت
ہر بے گنہ سے کہہ دو گنہگار بھی تو ہو

یکتائی کا جو دعویٰ ہے صورت نہ پھر دکھائے
وہ چہرہ آئینہ میں نمودار بھی تو ہو

ٹکرائے سر کو قیس کہاں جائے اے خدا
جنگل میں نجد کے کوئی دیوار بھی تو ہو

کہتی ہیں چشمِ یار سے اُس لب کی جنبشیں
عیسیٰ ہیں سیکڑوں کوئی بیمار بھی تو ہو

زلفیں ہٹیں تو وہ رخِ تاباں نظر پڑے
اِن بادلوں سے چاند نمودار بھی تو ہو

وعدہ ہی جب کیا نہیں ایفاءِ وعدہ کیا
اِس میں ہے گفتگو دہنِ یار بھی تو ہو

لیتا ہے دل میں شوقِ شہادت کیا چٹکیاں
قاتل کے ہاتھ میں کوئی تلوار بھی تو ہو

رضواں کمالِ دہلی میں بھیجا کرو غزل
اُس جنس بے بہا کے خریدار بھی تو ہو

کمالؔ۔ جناب حکیم سید مہدی صاحب خلف الصدق و جانشین حضرت جلال مرحوم

راحت رساں ہو در پے آزار بھی تو ہو
دلدار ہی نہیں ہو ستمگار بھی تو ہو

۵۱ آپکی غزل بوجہ دیر میں وصول ہونیکے خلافِ ترتیب درج ہوئی ۱۲ ۵۲ جناب سید مہدی حسن صاحب کمالؔ لکھنوی کی غزل بھی بعد ترتیب رسالہ وصول ہوئی لہٰذا اخیر میں بلا پابندی انتخاب شائع کیجاتی ہے۔

آیندہ سے نامی شعرا ہند، ۷ اشعار خود ہی انتخاب فرماکر بھیجدیا کریں۔ کیونکہ ۷۔ا۔ اشعار سے زائد شائع کرنا گلدستہ کے قواعد کے خلاف ہے۔ ایڈیٹر۔

در پردہ محوِ حسرتِ دیدار بھی تو ہو	دلدار ہی نہیں ہو ستمگار بھی تو ہو
تم دردِ دل ہو صورتِ اغیار بھی تو ہو	آزار ہی نہیں ہو دل آزار بھی تو ہو
غمزے ہیں اور ناز ہیں تکرار بھی تو ہو	تکرار بڑھ کے وصل میں تلوار بھی تو ہو
رُک جاؤ ہم سے اور کھنچو تم کس طرح	ناوک اگر ہو ابروئے خمدار بھی تو ہو
عاشق بنا رہا ہے تمھیں شوقِ آئینہ	اُلفت میں تم کسی کی گرفتار بھی تو ہو
جان بخش دونوں لب ہیں تو آنکھیں ہیں سحر گیں	عیسیٰ ہی تم فقط نہیں بیمار بھی تو ہو
دے اپنی جان و دل انھیں ٹھہرے مول لے	اِس طرح اور کوئی خریدار بھی تو ہو
تازہ ہوں دل کے زخم تو زخموں میں ہو خلش	گل جس طرف کھلے ہوں وہاں خار بھی تو ہو
وصلِ عدو میں میری کدورت بھی دخل پائے	اِک بیچ میں کھنچی ہوئی دیوار بھی تو ہو
ہٹ جاؤ تم ادا سے کہ دم توڑتا ہوں میں	آنا قضا کا نزع میں دشوار بھی تو ہو
جلاد بن کے شاد کرو شوقِ قتل کو	بل ابروؤں میں ہاتھ میں تلوار بھی تو ہو
جو اِس چمن میں صورتِ سبزہ ہو محوِ خواب	بچ کر نصیبِ غیر وہ بیدار بھی تو ہو
یہ ناز کمسنی کے قیامت کی ہیں دلیل	فتنے یہ کہہ رہے ہیں کہ ہشیار بھی تو ہو
وہ پوچھتے ہیں دردِ جگر کس طرح کہیں	اے ضعف ہم میں طاقتِ گفتار بھی تو ہو
ساقی بھی۔ مے بھی۔ شیشہ بھی۔ کالی گھٹا بھی ہے	اِن سب کے واسطے کوئی گلزار بھی تو ہو
پھر پھر کے دیکھتی ہے اِدھر رحمت اے کمال	بندہ خدا کا ایسا گنہگار بھی تو ہو

مضطرؔ۔ عالیجناب حکیم اسد علی خاں صاحب دہلوی

ہم خودکشی کریں کوئی تلوار بھی تو ہو	دل میں خیال ابروئے خمدار بھی تو ہو
لازم ہے سوزِ ہجر کا اظہار بھی تو ہو	لب پر جلن سے آہِ شرر بار بھی تو ہو
ہر ہر قدم پہ حشر بپا ہو دمِ خرام	ایسا کسی کا فتنۂ رفتار بھی تو ہو
مرتا ہے تجھ پہ غیر یہ کہنا بجا سہی	دلدادہ تیرا جان سے بیزار بھی تو ہو

لہ عالیجناب حکیم اسد علیخاں صاحب مضطر دہلوی۔ شہر دہلی کے نامی شعراء میں سے ہیں آپکا کلام ہر طرح استادانہ رنگ کا ہوتا ہے۔ اِس غزل پر کمیٹی کی رائے ہے کہ بلا انتخاب شائع کیجائے لہذا ہم بجنسہ گلدستہ ہذا میں ناظرین کی دلچسپی کیلئے شائع کرتے ہیں

پوچھیں وہ پوچھتے ہیں مرے دلکی آرزو
مجھ ناتواں میں طاقتِ گفتار بھی تو ہو

بڑھ جائے اور شورِ قیامت میں ای فلک
شامل کسیکی شوخیٔ رفتار بھی تو ہو

صورت نہ کیوں دکھاؤ دم سکتہ تحیر کو
تم ہی جہاں میں آئینہ بردار بھی تو ہو

آنکھیں بچھائیں کس کے لیئے فرشِ خواب
ہنگامہ زا وہ فتنہ رفتار بھی تو ہو

ضبط تعلق سے اپنے ہی دم پر بنی تو کیا
ٹکڑے فغاں سے چرخ ستمگار بھی تو ہو

یہ کیا کہا زمانے میں ہیں اور بھی حسیں
تجھسا جہاں میں کوئی طرحدار بھی تو ہو

کافی ہے میرے قتل کو ظالم ادائے ناز
کسنے کہا کہ ہاتھ میں تلوار بھی تو ہو

مجھ ناتواں کے نعش کو پھر کیا کفن کی فکر
سر پر کسی کا سایۂ دیوار بھی تو ہو

سلجھا لیا جو زلفِ گرہ گیر کو تو کیا
وا تم سے میرا عقدۂ دشوار بھی تو ہو

ممکن نہیں کہ غیر انا الحق سرا بنے
کوئی کسیکا محرمِ اسرار بھی تو ہو

محشر سے ہو چکا ترا دیوانہ پائمال
طرزِ خرام و شوخیٔ رفتار بھی تو ہو

دشمن کے دینے میں بھی نہ کچھ عذر ہو مجھے
جنسِ وفا کا کوئی خریدار بھی تو ہو

عیسیٰ بھی ہوں تو چارۂ مردہ دلی محال
کسکی دوا کروں کوئی بیمار بھی تو ہو

دوری بھی اُنکی پاس سے ہی پاس ترکہیں
دلمیں کسیکی حسرت دیدار بھی تو ہو

زاہد کو لطف کیا جو ملے بھی مئے طہور
کوثر پہ کوئی رند قدح خوار بھی تو ہو

پھرتا ہوں شوقِ قتل میں تیغ و کفن لیئے
مرنے کو اِس طرح کوئی تیار بھی تو ہو

کرتا ہی قتل اے شہ خوباں اگر مجھے
تربت فقیر کی پسِ دیوار بھی تو ہو

اُس رشکِ گل کے دم سے ہے آبادیٔ چمن
گلزار میں وہ غیرتِ گلزار بھی تو ہو

وحشت میں کیوں اُڑاؤں نہ میں خاک کو بکو
رسوائی جنوں سرِ بازار بھی تو ہو

دیگر

اُسکے بغیر بادہ کشی کا مزا نہیں
محفل میں تیری مضطرِ میخوار بھی تو ہو

ظاہر نشانِ خنجرِ ستمگار بھی تو ہو
اُس کا زمیں پہ سایۂ دیوار بھی تو ہو

ظالم ہے گر تو دشمنِ اغیار بھی تو ہو
وہ بات کر جو تجکو سزاوار بھی تو ہو

وہ رشکِ آفتاب نمودار بھی تو ہو
پرتو فگن کبھی سرِ دیوار بھی تو ہو

سمجھے گا کوئی خاک پریشانیاں مری — مجموعۂ خیال کا اظہار بھی تو ہو

ہو کچھ تو افتخار مجھے لے جنونِ عشق — پڑنے کو سر پہ۔ خاکِ درِ یار بھی تو ہو

مشکل بھی راہِ عشق میں ثابت قدم رہے — اِقرارِ محوِ ذات سرِ دار بھی تو ہو

ایذا طلب ہوں میرے ستانے سے مدعا — فرطِ ستم سے کچھ مجھے آزار بھی تو ہو

مانا کہ حسن ہے ترا برق نگاہ سوز — جلنے کو ہمسا طالبِ دیدار بھی تو ہو

کیونکر نہ طے کروں رہِ تسلیم سر کے بل — پائے طلب میں طاقتِ رفتار بھی تو ہو

دیکھئیگے حالِ زار مرا آپ کس طرح — آنکھوں سے دور پردۂ پندار بھی تو ہو

عرضِ طلب میں کیوں نکروں میں مبالغہ — اِس خوشنما سوال کی تکرار بھی تو ہو

پیدا کیا ہے اُس محبتِ کافر سے سلسلہ — کچھ برہمن سے رشتۂ زنار بھی تو ہو

تن سے نکل کے جان ذرا تو ہی لا اُسے — میت پہ میری کوئی عزادار بھی تو ہو

دعوی کسیکا چل نہیں سکتا بلا دلیل — تکرار ہے تو باعثِ تکرار بھی تو ہو

مہرِ ندیم پردہ ہوں قربان کس طرح — غمخوار کو تلافیٔ غمخوار بھی تو ہو

یوسف کی ہمکو قیمتِ اول ہی کیوں نہ دے — بکتے ہیں ہم ابھی وہ خریدار بھی تو ہو

مجکو تو کاٹنی ہے شبِ غم کسی طرح — پہلو میں ہم نشیں کوئی تلوار بھی تو ہو

غنچہ لبی کی دہوم نہ پھیلے چمن چمن — محفل میں گلفشانیٔ گفتار بھی تو ہو

ہوتی ہے پا بگل کو بھی آزادگی نصیب — سروِ چمن سا کوئی گرفتار بھی تو ہو

پیشِ نظر نہ ہو مرے کیوں رشکِ میکدہ — بزمِ خیال میں کوئی ہشیار بھی تو ہو

مرنا کسی کے ہجر میں آسان گر نہیں — دشوار ہم کو مرنا دشوار بھی تو ہو

لذت فزا نہیں ابھی ایذاے جستجو — پائے شکستہ میں خلشِ خار بھی تو ہو

دیکھا جو چشمِ غور سے غفلت ہے آگہی — ہونے کو بے خبر کوئی ہشیار بھی تو ہو

مضطر کسی سے بھی تو ذرا حالِ دل کہو — دردِ نہاں سے کوئی خبردار بھی تو ہو

بقیہ طرح گزشتہ

ظہیر سعالیجناب طوطیِ شکرستانِ خوشمقالی رافع الدولہ حضرت ظہیر الدین حسین صاحب دہلوی دام ذوقہ

ہم جناب سید ظہیر الدین حسین صاحب ظہیر دہلوی کے تہ دل سے ممنون ہیں کہ باوجود پیرانہ سالی و عوارض جسمانی آپ اپنے کلام فصاحت التیام سے رسالہ کمال کی عزت افزائی فرماتے رہتے ہیں۔ امید ہے کہ آئندہ بھی اسی طرح قلمی امداد سے زیر بار منت بناتے رہیں گے۔ ایسے کامل استاد الوقت کا کلام ہمارے رسالہ کے لیئے باعث زینت ہے۔ (ایڈیٹر)

اگر ہوں موجزن طغیانیاں اشک ندامت کی
تو بارش آتش دوزخ پہ ہو باران رحمت کی

فقیر فقر مشرب ہوں نہیں کچھ حرص دولت کی
توکل پر گزارا اپنا ہے عادت ہے قناعت کی

گزر جس رہگذر سے ہو گیا برپا قیامت کی
قیامت نے بلائیں لی ہیں اٹھکر تیرے قامت کی

نہ رنجش تھی کدورت کی نہ ضد تھی کچھ رقابت کی
صبا نے کس لیئے برباد میری خاک تربت کی

تماشا ہے وہ کہتے ہیں کہ کیا شامت تھی قسمت کی
نہ تھی طاقت محبت کی تو کیوں تو نے محبت کی

ترا وہ سر جھکائے شرم سے آنا قیامت تھا
ترے انداز نے ظالم قیامتیں قیامت کی

رہائی بعد مردن بھی نہیں قسمت کی گردش سے
بگولے بن کے اٹھتی ہے ہماری خاک تربت کی

اگر دنیا ادہر کی ہو ادہر تو بھی نہ بدلے گی
تمھاری ظلم کی عادت ہماری خو محبت کی

پڑے ہیں حشر میں لینے کے دینے داد خواہوں کو
شکایت کے عوض ہے معذرت الٹی ندامت کی

زمانہ مال و زر سے گو کہ مالا مال ہے لیکن
قسم کھائی ہے نکبت نے مرے روز مصیبت کی

یہ چھینٹے دیجئے کوثر کے اسکو حضرت واعظ
جسے حسرت ہو حوروں کی جسے خواہش ہو جنت کی

حسینان جہاں جتنے ہیں گلدستہ ہیں کاغذ کے
نہ ان میں رنگ الفت ہے نہ خوشبو ہے محبت کی

خطا اپنی ہے الفت میں ہمیں گر کر نہ ملنا تھا
ہوئے ہم جسقدر گرویدہ اتنی تمنے نفرت کی

گل تر کو تمھاری نازک اندامی سے کیا نسبت
ہوا تک بھی نہیں وہ سکو لگی ناز و نزاکت کی

سنا جاتا ہے کل رندوں نے شیخی کرکری کر دی
جناب شیخ لیتے تھے بہت لنبی مشیخت کی

چمن میں شاخ گل کو ناز ہے اپنی نزاکت پر
ذرا چلکر دکھا دو سیر تم ناز و نزاکت کی

شکایت تنگدستی کی نہ شکوہ قدر دانی کا
ستایش کی تمنا ہے نہ خواہش مجکو شہرت کی

تری چشم سخن گو کہہ رہی ہے راز دل تیرا
تری شرم و حیا غماز ہے تیری شرارت کی

ظہیر بادہ پیما اس غزل گوئی سے کیا حاصل
نہیں ہے قدر دنیا میں سخن گستر کی محنت کی

قصیر۔ جناب منشی گوری شنکر صاحب دہلوی تلمیذ حضرت ظہیر دہلوی مدظلہ

تمھیں چاہا نہیں اچھے بھلے دل سے عداوت کی
بنائی جان پر اپنی بری تمسے محبت کی

جھلک کچھ دیکھ لی ہے کیا ہمارے داغ فرقت کی
کہ رنگت پھیکی پھیکی سی ہے خورشید قیامت کی

عدو کے ذکر پر تیور بدل کر مجھ سے کہتے ہیں
اسی برتے پہ دعویٰ تھا محبت کا محبت کی

کسی دن وہ اگر کھل جائے تو یہ بھی کھُلے از خود
لگا رکھی ہے دوہری گھات میرا دل چُرانے کو
تمہاری چال کے فتنوں سے حوریں ہو گئیں بسمل
اشاروں میں پتہ دیتی ہیں کچھ چھپی ہوئی نظریں
گلوں پر کس صفائی سے چلی ہے آج منقل میں
تمہارا کیا اجارا ہے دکھائیں کیوں بتائیں کیوں
نکل آیا ہے کیا انکار میں اقرار کا پہلو
وفاؤں پر جفائیں ہیں کہیں کیا اے قصیر اُنسے

ترے بندِ قبا میں بھی گرہ ہے میری قسمت کی
نگاہوں نے جو شوخی کی تو زلفوں نے شرارت کی
خدا رکھے کہ جنت میں بھی ٹھیری ہے قیامت کی
پریشاں زلف ساری داستاں کہتی ہے خلوت کی
روانی تیغِ قاتل میں ہے کچھ میری طبیعت کی
کہیں سے لائے ہیں تصویر ہے اک بے مروت کی
بُرے موقع پہ کچھ اُنکی زباں نے آج لکنت کی
ہمیں تو راس آئی ہی نہیں خو بو محبت کی

اطلاع - چونکہ عنقریب سالۂ ہذا کا دوسرا سال شروع ہونیوالا ہے لہذا التماس ہے کہ جن معزز اصحاب نے ابھی تک زرِ چندہ عطا نہیں فرمایا ہے وہ صاحب مہربانی فرماکر آخر اپریل سنہ ۱۹۱۰ء تک ترسیلِ زرِ قیمت سالانہ سے اعانت فرماکر جلد شکریہ کا موقعہ دیں یا روانگی وی پی کی اجازت مرحمت فرمائیں ہمنے محض اس خیال سے ابھی تک وی پی روانہ نہیں کیئے کہ آپکی شان کے خلاف ہے۔ ہمیں اُمید ہے کہ ہمارے معزز خریدار ہمیں دوبارہ اس امر کے تحریر کرنے کی مطلق ضرورت نہونے دینگے ٭

کمیٹی نے اس امر کا قطعی فیصلہ کر دیا ہے کہ آیندہ سے وہ مضامین جنمیں علمی بحث کے علاوہ ذاتیات کا ایک لفظ بھی اشارۃً یا کنایتاً ہوگا درج گلدستہ نہونگے۔ کسی صاحب کے طرحی اشعار کسی حالت میں ۷ سے زیادہ طبع نہ کیئے جاوینگے

مصرعۂ طرح - بابت ماہ اپریل "اُن سے کہوں تو خاک کہوں دل کی آرزو" بسمل قافیہ
بابت ماہ مئی "کہاں یہ مرتبہ میرا کہ ہوں میں راز داں تیرا" یہاں قافیہ
بابت ماہ جون "نعمت ملی ہے عشق کی اب اور کیا ملے" خدا دعا قافیہ

نوٹ - کم از کم مبلغ عہ چندہ سالانہ عطا فرمانے والوں کا اسم گرامی ایک سال تک فہرست معاونین میں درج ہوتا رہے گا ۱۲

اضافی اور باتونی عورت نے پھر کہنا شروع کیا "ایک بات اور بھی قابل خیال ہے۔ مجھے متعجب ہے کہ تمکو اپنے فائدہ کا مطلق خیال نہیں۔ ہمکو بڑے آدمیوں کی خاطر تواضع کرنی چاہیئے۔ یہ یاد رکھو کہ سر ولیم برنیڈ کا کوئی بچہ نہیں ہے اور وہ سب کچھ کپتان لی کے واسطے چھوڑ جائیگا اور اس طرح یہ ایک دن نڈرہال کا مالک ہوگا۔ افسوس ہے کہ تم پر میری ان باتوں کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔ اِس لیئے زیادہ تم سے کہنا فضول و بیکار ہے

مسز شیپرڈ ابھی اپنے خاوند سے اور بھی باتیں بناتی اگر اُسے دفعتہً یہ خیال نہ آجاتا کہ اُسکے خوبصورت مہمان کو شاید کسی اور چیز کی ضرورت ہوگی۔ لہذا وہ فوراً دیوانخانہ کو واپس چلی گئی اور اپنے مہمان سے مسکراکر کہنے لگی۔

مسز شیپرڈ۔ مجھے اُمید ہے کہ تمام چیزیں قابل پسند ہونگی؟

ابھی اس جملہ کا جواب نہ ملا تھا کہ باہر سے گھوڑوں کی ٹاپوں اور پہیوں کی گڑگڑاہٹ اور چابک کے پھٹکارنے کی آواز کان میں آئی

مسز شیپرڈ (دل میں) خدا کرے اور مسافر یہاں ناشتے کے لیئے قیام کریں چونکہ اُسکو اپنے کام کا بہت خیال تھا۔ فوراً دیوانخانہ سے باہر چلی گئی۔ چند ہی منٹ میں ایک زنانہ چیخ اور ساتھ ہی کسی بڑی چیز کے ٹوٹ جانے کی آواز آئی۔

کپتان لی گھبراکر فوراً کمرے سے باہر آیا اور سرائے کے دروازے سے (جو حسب بیان سابق لندن اور نیو مارکیٹ کی سڑک کے کنارے پر واقع تھا) باہر نکلا۔ کیا دیکھتا ہے کہ ایک بڑی شاندار گاڑی جو اُس زمانے میں اعلیٰ درجے کے لوگوں میں مستعمل تھی دُہرا ٹوٹ جانے کی وجہ سے ٹوٹ گئی ہے۔ یہ گاڑی نہایت چمکدار رنگی ہوئی تھی اور اسپر تمام گلٹ کا کام ہو رہا تھا۔ دُہرا ٹوٹ جانے کی وجہ سے ایک طرف کو گر پڑی تھی اور چھ گھوڑے جو اُس میں جُتے ہوئے تھے غل و شور کی آواز سے ڈرکر بالکل بے قابو ہو رہے تھے۔ چابک سوار کوچ بکس سے کود کر اُنکو قابو میں لا رہا تھا

کوشش کر رہے تھے۔ اور تین سائیس جو گاڑی کے پیچھے کھڑے تھے اس زور سے سڑک پر گرے تھے کہ گاڑی والوں کی مدد کرنے کے بالکل قابل نہ رہے تھے۔ شیپرڈ نے گاڑی کی وضع دیکھکر سمجھ لیا تھا کہ یہ دربار شاہی سے تعلق رکھتی ہے اس لیئے وہ اس واقعہ کے نظارہ کی طرف نہایت سستی سے آہستہ آہستہ جا رہا تھا۔ اُس کو ہر ایک ایسی چیز سے جو خاندان شاہی سے متعلق تھی دلی نفرت تھی لارنس آگی یہ حال دیکھکر سرائے کے دروازے سے دوڑا اور سست قدم مالک سرائے کو پیچھے چھوڑ کر مدد کرنے والوں میں جنکی سخت ضرورت تھی جا شامل ہوا۔ اِس نے دور ہی سے بھانپ لیا تھا اس بات کو دیکھ لیا تھا کہ گھوڑے گاڑی کو سڑک سے دوسری جانب کو کھینچ رہے ہیں جس سے یہ قوی خطرہ تھا کہ وہ رائی ہوس کی خندق میں نہ جا پڑیں اور گاڑی کی سواریاں اس وقت سخت خطرناک حالت میں تھیں۔ اِس لیئے وہ بہت جلد چالیس گز کا فاصلہ طے کرکے گاڑی تک جا پہنچا۔ اور اپنی جیب سے چاقو نکالکر نہایت چابکدستی سے گھوڑوں کی راسوں کو کاٹ ڈالا۔ پھر اُسنے گاڑی کا دروازہ کھولکر اُس میں سے ایک لیڈی اور اُسکی خادمہ کو باہر نکالا جو بہت خوف زدہ تھیں۔ سوائے چند خفیف کھرنچوں کے کوئی زخم وغیرہ ان کو نہیں لگا تھا۔ لیڈی نے (جسکی عمر قریب ۲۵ سال کے ہوگی۔ قد میانہ تھا لیکن اُس سے کسیقدر مضبوطی ظاہر ہوتی تھی۔ بہت خوبصورت تھی۔ نہایت چمکدار اور قیمتی پوشاک پہنے ہوئی تھی) نہایت خوش اخلاقی اور چاپلوسی کے الفاظ میں اس امداد کا شکریہ ادا کیا۔ چونکہ اُسنے ٹوٹی پھوٹی انگریزی زبان میں گفتگو کی تھی اُس کا لب و لہجہ فرانسیسی معلوم ہوتا تھا۔

لارنس آگی نہایت متحیر ہوا کہ یہ کون ہے؟ اُسکی خادمہ بھی فرانسیسی تھی۔ مگر اُسنے ایک لفظ بھی انگریزی کا نہیں بولا بلکہ فرانسیسی میں اپنی مالکہ سے مضطربانہ

لہجہ میں دریافت کیا کہ کہیں چوٹ تو نہیں لگی ہے۔

کپتان لی فرانسیسی زبان نہیں جانتا تھا۔ اسنے جو کچھ کہا یہ نہ سمجھ سکا۔ خادمہ ایک ادھیڑ عورت تھی لیکن شوخی شرارت عشوہ غمزہ نازو انداز جو عورتوں کا خلقی حصہ ہیں سب اس میں موجود تھے۔ لیڈی نے ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں جسکو ہم صاف زبان میں تحریر کرتے ہیں پوچھا۔

لیڈی۔ کیا میں دریافت کر سکتی ہوں کہ اس نازک وقت میں کسکی ممنونِ احسان ہوئی ہوں ؟

لارنس لی (ادب سے ٹوپی اٹھا کر اور تعظیم دیکر) میرا نام لی ہے۔ کرنیل گریہم کے ہرٹ فورٹ شائر کے رسالے میں کپتان ہوں۔ اور نڈرہال کے سر ولیم کا بھتیجہ ہوں

لیڈی (سامنے کی محدود چار دیواری کی طرف اشارہ کر کے جہاں یہ گاڑی ٹوٹی تھی) یہ نڈرہال ہے۔

لی۔ نہیں۔ نڈرہال سامنے درختوں کے درمیان یہاں سے ایک میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہ تورائی ہوس ہے۔ لیکن اس تھوڑے عرصے غالباً ایک یا دو گھنٹہ کے لیئے جب تک کہ گاڑی درست ہو حضور میری مہمانی نڈرہال میں منظور فرمائیں۔ جس حالت میں کہ . . . .

(ڈچیز) جو فی الحقیقت یہی تھی۔ اپنی مغرورانہ نگاہ لی پر ڈالکر اور بات کاٹکر) یہاں سے ایک میل کا فاصلہ ہے۔ نہیں بلاشک نہیں۔ چونکہ یہ کمبخت شرابخانہ ہے اور اس وقت تنہا اپنے چچا کے گھر تک پیدل جانا ہمیں ناپسند ہے اس لیئے ہم یہاں درائی ہوس کی طرف اشارہ کر کے) ٹھیریں گے۔

کپتان لی۔ بہت بہتر۔

اور اپنے دل میں خیال کرنے لگا اگرچہ کرنیل رمبلڈ ایک نسدی اور سخت جمہوری فرقہ

کاہے مگر اپنے آپ کو اسقدر نالائق ظاہر نہیں کریگا کہ ایک عالی رتبہ لیڈی کی مہمانی کی درخواست کو نامنظور کرے۔

ڈچیز آپ کس سوچ میں ہیں۔ ذرا آگے آیئے۔ اپنا ہاتھ مجھے دیجیئے اور مجھے اِس مکان کے دروازے تک خواہ کسی کا کیوں نہ ہو لے چلیئے۔

اس وقت رمبلڈ کے چند ملازم جو بالٹنگ ہاؤس میں کام کر رہے تھے اِس موقع پر موجود تھے۔ اور اُن میں آہستہ سے میڈم کارویل کا نام لیا گیا تھا۔ یہ سب ایک جگہ کھڑے ہوئے تھے۔ اور نہ تو بے ادبانہ طریق سے نہ زیادہ تعظیم سے چارلس دوم کی عزیز مسٹریس کی جانب دیکھ رہے تھے۔ انھوں نے نہ گاڑی کے ٹوٹنے کے وقت اور نہ اُسکی درستی میں مدد کی تھی بلکہ علیحدہ کھڑے تماشہ دیکھ رہے تھے۔ شیپرڈ مالک سرائے بھی انھیں میں شامل ہوگیا تھا۔ آپس میں کاناپھوسی کر رہے تھے کہ یہ کون لیڈی ہے۔

کپتان لی اپنا ہاتھ لیڈی کے ہاتھ میں دیکر رائی ہوس کے دروازے کی جانب اُسکو لیجا رہا تھا اور خادمہ پیچھے پیچھے جا رہی تھی۔ جب کشیدنی پل کے قریب پہنچے تو لارنس لی نے کہا۔ وہ میں خیال کرتا ہوں اور کیا میرا قیاس درست ہے کہ میں ڈچز آف پورٹ اسمتھ کو ہمراہ لیئے جانے کا فخر حاصل کر رہا ہوں۔ کیا میں رائی ہوس کے کرنیل اور مسز رمبلڈ سے یہی نام ظاہر کر سکتا ہوں ؟

ڈچز (مغرورانہ لہجہ میں) بیشک یہی نام ہے۔

اور جوش سے پھر اُسنے یکایک اپنی ملایم شباہت اور مسکراہٹ سے کرنیل لی کی طرف دیکھا۔ گویا کہ اُس حادثہ کے خطرہ سے جس میں وہ گرفتار ہوگئی تھی اپنے آپ کو سنبھال کر اُسنے خیال کیا کہ اُس کا ساتھی ایک ایسا خوبصورت شخص ہے کہ اُس نے اپنی زندگی بھر میں ابتک کبھی نہیں دیکھا تھا۔

کپتان لی نے اس عجیب قسم کی نگاہ کو جو لیڈی نے اُس پر ڈالی تھی مطلق نہیں دیکھا

ڈاکٹر برمن کی بنائی مشہور دوائیں

پچیس برس سے سارے ہندوستان میں استعمال میں آرہی ہیں۔

(۱) دمہ زور سے اچھلتا ہوا اسی دوا کی دوایک مقدار ہی سے دب جاتا ہے
(۲) نیا رہتے اس دوا کا استعمال کیا جائے تو دمہ جڑ سے جاتا ہے۔
(۳) پرانے دمہ والے یا جن کا دمہ دم کا ساتھی ہو گیا ہو وہ بھی اس دوا سے بہت جلد صحت پاتے ہیں

دمہ کی دوا ڈاک محصول ایک سے ۳ شیشی تک ۵ر قیمت ایک شیشی ایکروپیہ چار آنے ۱ہ۴ر

مقوی باہ کی گولیاں ڈاکٹری میں طاقت دینے والی دوائیوں میں مشہور دوائیں فاسفورس۔ اسکینٹنا اور ڈیمینیا ملا کر یہ گولیاں بنی ہیں۔ مغز ریڑھ۔ ورگ۔ ماس اور خون کو یہ طاقت دیتی ہے اس لیے ان کی کمزوری سے پیدا ہوئی معمولی کمزوری۔ ہول دل۔ یاد بھولنا۔ ہاتھ پیر کا کانپنا۔ لقوہ وغیرہ ان گولیوں سے آرام ہوتے ہیں۔ دو ہفتہ کی خوراک۔ تیس گولیوں کی شیشی قیمت ایکروپیہ۔ ڈاک محصول ایک سے چار شیشی تک ۵ر

امراض مستورات کی دوا یہ ہر ایک اقسام کے مستورات کی دوا ہے ہر طرح کی رحم کی بیماری۔ پرودر روگ حمل کی کمزوری۔ پیڑو جانگ میں درد وغیرہ کو مٹا کر اس دوا کے استعمال سے رحم کی خرابی دور ہو کر جسم قوی ہوتا ہے۔ ایک دفعہ اس دوا کی بھی آزمایش کیجئے۔ قیمت ایک شیشی ایک روپیہ چار آنے ۱ہ۴ر (۱۶ خوراک) ڈاک محصول ۶ر۔ ان دوائیوں کی مفصل حالت مع سرٹیفکٹوں کے پوری کتاب بلاقیمت ملتی ہے۔ منگا کر پڑھیے۔

ڈاکٹر ایس کے برمن
نمبر ۵ و ۶ تاراچند دت اسٹریٹ کلکتہ